گاہے گاہے باز خواں ایں دفترِ پارینہ را

پنجاب کی بعض

اچھوت قومیں

۱۹۲۵ء

انفرمیشن بیورو پنجاب

فہرست مضامین

حرفِ گفتنی

درسِ عنوانِ تماشا بہ تغافل خوشتر
ہے نگہ رشتۂ شیرازۂ مژگاں مجھ سے

کرۂ ارض جس پر انسان بستے ہیں محض اس لئے پیدا ہے - کہ آسمان کی آنکھوں کو تا قیامت ہر لمحہ اور ہر گھڑی انقلاب و تغیر کے تماشے دکھاتا رہے - ہست و بود کی نیرنگیوں سے ان کو غافل نہ ہونے دے - ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک جغرافی - تاریخی - مذہبی سیاسی - تمدنی اعتبارات سے ہماری دنیا کن کن مرحلوں سے گذر چکی ہے - اور کیا کیا تبدیلیاں دیکھ چکی ہے - انسانی علم اس پر حاوی ہونے سے محض عاجز ہے - علم تاریخ کا ایجاد کرنا انسان کا بڑا کارنامہ ہے مگر اس علم کی حدود انسانی تجربہ و مشاہدہ کی حدود سے آگے نہیں بڑھ سکتیں - کوئی شخص تحقیقی طور پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ آج سے دو ہزار سال پہلے کسی خاص ملک اور اس کے باشندوں کے صحیح و معتبر حالات کیا تھے - ہم خود اپنے ملک پر جس میں ہم آبا و اجداد سے بستے چلے آرہے ہیں نظر ڈالتے ہیں تو ہماری کم علمی و بے بضاعتی ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے - اس پر طرہ یہ کہ جو تھوڑا بہت علم ہمیں حاصل ہے وہ اسقدر تسکین افزا نہیں جسقدر حیرت زا و تعجب انگیز زمانہ ماضی تھا - حال کی یہ صورت ہے کہ ہم اس بیسویں صدی یعنی تہذیب و ترقی اور علم و عقل کی صدی میں تحقیق و تیقن کے ساتھ ہندوستان کی موجودہ اقوام ان کی رسوم ان کے اخلاق اُن کے مذاہب کو تفصیل کے ساتھ نہیں بیان کر سکتے؂

ہر مردم شماری کی رپورٹ جو دس سال کے بعد شائع ہوتی ہے اس راز کو افشا کرتی ہے کہ بلحاظ اقوام اور رسوم و عاداتِ اقوام اس سے پہلی رپورٹیں کسی حد تک غیر مکمل تھیں۔ تاہم سوسائٹی کا موجودہ نظام اپنی سعی و ہمت کے مطابق اس ضمن میں جو کوششیں ہونی چاہئیں اُنہیں خوبی کے ساتھ اور کامیابی کے ساتھ سرانجام دے رہا ہے۔

دنیا کا کوئی ایک برّاعظم ایسا نہیں جس میں نسلوں، قوموں، مذہبوں زبانوں، اور رسموں کی اتنی کثرت، ان میں اتنا تنوع اور اسقدر اختلاط پایا جائے جو ملک ہندوستان کے سیاح کو اس میں نظر آئیگا۔ اس قسم کی کثرت اور اس قسم کا اختلاط اس بات کی دلیل ضرور ہے کہ ہندوستان سا زرخیز و خوش فضا ملک اور ساری دنیا میں نہ ہوگا۔ جس نے اتنی مخلوق خدا کو اپنی طرف کھینچا اور اس کی روزی کا سامان بہم پہنچایا۔ مگر اس تسلی سے یہ رنج دور نہیں ہوسکتا اور نہ یہ حقیقت مٹ سکتی ہے۔ کہ نسلوں اور قوموں کی کثرت نے سوائے آبادی زیادہ بہم پہنچانے کے ملک کی کوئی خاص خدمت نہیں کی۔ ملک کی خدمت نہ کرنے سے جو مراد ہم لیتے ہیں وہ محض یہ ہے کہ تعاون و اتحاد اور ہم وطنی و ہم جنسی کا احساس کسی طویل اور مسلسل زمانۂ امن و آشتی پر اپنا قوی اثر نہیں بٹھا سکا۔ اور یہ قصور یا کوتاہی بیشتر مختلف اقوام اور مختلف نسلوں کے اختلافِ رسوم و عقائد سے پیدا ہے۔ سیاسی انقلابات نے بھی وقتاً فوقتاً اختلافات کی خلیج کو وسیع کیا۔ لیکن اگر تمدن و معاشرت۔ عقاید و رسوم میں ہمخیالی اور یکجہتی ہوتی تو ظاہر ہے کہ صورتِ حالات وہ نہ ہوتی جو آج ہمارے سامنے ہے۔

بلحاظ مذہب ملک کے اندر ہندو ہیں۔ مسلمان ہیں۔ عیسائی ہیں۔ سکھ ہیں۔ یہودی ہیں۔ پارسی ہیں اور پھر ہر ایک کے بیسیوں فرقے۔ بلحاظ نسل اصل باشندے یعنی ڈریوڈین۔ آریہ سیتھین۔ عرب۔ مغل پٹھان۔ اور پھر ان کی ہزاروں ذاتیں اور گوتیں۔ یہی حال زبانوں کا

ہے۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد ہے۔ غرض ایک ملک کے اندر
اتنی نسلیں، اتنی قومیں، اتنی زبانیں دنیا کے کسی حصہ میں دیکھنے میں
نہ آئی ہونگی۔ اس ارتباط و اختلاط کا نتیجہ نہ معلوم قدرت کے پیش
نظر کیا تھا اور آئندہ کیا ہو اور کوئی وجہ نہیں کہ قدرت کسی اچھے نتیجہ
کی منتظر نہ ہو۔ مگر جو نتیجہ اس وقت تک دیکھنے میں آیا ہے وہ اتنا امید افزا نہیں جتنا یاس انگیز۔

بعض حلقوں میں نہایت بلند آہنگی سے اس بات کا چرچا کیا جاتا
ہے کہ اس دور تہذیب میں بعض قومیں بعض اعتبارات سے اپنے آپ
کو دوسری اقوام پر فائق سمجھتی ہیں۔ یہ درست ہو یا غلط۔ ہم کہتے
ہیں کہ وہ نسلی اور قومی تمدنی اور معاشرتی اختلافات جو زمانۂ قدیم سے
ملک کے اندر پیدا ہیں اور اب تک چلے جارہے ہیں ان کی اصلاح
کی طرف کیوں توجہ نہیں کی جاتی۔ کیوں حکومت اور پبلک دونوں
مل کر اس فرض کو سرانجام نہ دیں۔

انسان فطرتاً گنہگار ہے اور مجرم یا نیک سیرت و پاک طینت یہ
ایک فلسفیانہ مسئلہ ہے اور مذہبی۔ اس حقیقت سے کس کو انکار ہے
کہ کثرتِ گناہ و جرم نظامِ معاشرت و تمدن کے لئے ازبس مہلک ہے۔
انسانی سوسائٹی نے گناہ و جرم کو اس حد تک برا سمجھا کہ نیک چلنی اور
پاکیزہ اخلاق کے قوانین خود وضع کر کے انہیں اپنے پر نافذ کیا۔ اپنی
بے محل آزادیوں اور مخرب اخلاق حقوق سے خود دست بردار ہو گئے۔
اور وہ نظامِ عقلی عدم سے وجود میں لائے جسے موجودہ زمانہ میں لفظ حکومت
سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قوانینِ اخلاق کے جبریہ نفاذ کی ضرورت جن
مصلحتوں پر مبنی ہے ان کی تشریح کا یہ محل نہیں۔ یہ اظہر من الشمس
ہے کہ عقیل و فہیم انسانوں کا کوئی گروہ آج اس مہذب سے مہذب دور

ہیں بھی بغیر اس جبر کے آزادی سے زندگی نہیں بسر کر سکتا ۔

جب حقیقت یہ ہے کہ باوجود گناہوں اور جرموں پر مائل ہونے کے ہم سب گناہ و جرم کو اپنے لئے اور تمام سوسائٹی کے لئے سم قاتل سمجھتے ہیں تو آئیں ۔ اپنے ملک پر نگاہ ڈالیں اور اس کی ان اقوام کی خستہ حالی اور بدبختی پر آنسو بہائیں جن کی زندگیاں محض ہمارے طرزِ عمل اور ہماری خود غرضیوں کی بدولت عصیان و طغیان کی نذر ہو چکی ہیں ۔ جن کے ضمیر سے ہماری نظرِ عنایت نے خیر و شر کا احساس محو کر دیا ہے جن کے دل و دماغ ہماری عقلوں کے حیلوں کا شکار ہو کر حق و باطل میں فرق کرنے سے عاجز آچکے ہیں ۔ جن کے عقاید و اعمال ہمارے عقاید و اعمال کے زیر اثر وحشی حیوانوں اور جنگلی درندوں کے خصائل سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے ۔ ہم خود تو گناہ و جرم سے نفرت کریں اور اس کے مرتکب کو ذلیل جانیں اور ہمارے پہلو بہ پہلو ہماری بستیوں کے گرد و پیش آوارہ و پریشان حال ہمارے وہ ہم وطن بھی ہوں جو ہمیں ہماری آنکھوں کے سامنے جرم کے شیفتہ نظر آئیں ۔ اور ہم خود انہیں اپنی زبان سے "جرائم پیشہ" کے نام سے یاد کریں ۔

مضمون کی تفصیل میں آپ پر کسی حد تک یہ حقیقت کھل جائیگی کہ وہ اقوام اور ہمارے ملک کی اقوام جن کو ہم اُس دور تہذیب میں جرائم پیشہ" کہتے ہیں اپنے ابتدائی زمانے میں اُس زمانہ کے انسانی علم و عقل کے مطابق کچھ نہ کچھ ویسی ہی ممتاز و مہذب اور متمول و متمدن تھیں جیسے ہم اب ہیں ۔ محض ہمارے مسلسل اور صدہا سالوں کے "احسانوں" نے ان کا وہ حال کر دیا ہے جس میں ہم اب ان کو دیکھ رہے ہیں ۔ اگرچہ ہمارے "احسانات" نے ان اقوام کی مصیبتوں اور خانماں بربادیوں کے صحیح حالات بھی باقی نہیں چھوڑے ۔ تاہم پیشتر اس کے کہ اُن کی موجودہ حالت آپ کی آنکھوں کے سامنے لائی جائے ٗ تاریخ کے ورق جو تھوڑی بہت روشنی ان کی گذشتہ تباہ حالی کی داستان پر ڈال سکتے ہیں آپ

کے پیش نظر کی جاتی ہے +

ہندوستان کے بعض مشہور صوبوں مثلاً بمبئی - یو - پی - پنجاب وغیرہ میں جرائم پیشہ اقوام کی اصلاح کے لئے مستقل محکمے قائم ہیں - ان محکموں کی رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے - کہ ہندوستان میں کوئی دس بیس قومیں ہی ایسی نہیں جو جرائم پیشہ کہلاتی ہیں - فہرست پر نگاہ ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تعداد سینکڑوں کی ہے جب قومیں سینکڑوں ہیں تو افراد کی تعداد کا کیا اندازہ +

سلسلہ مضمون میں صوبہ پنجاب کی اقوام جرائم پیشہ کے اعداد و شمار درج کر دئے گئے ہیں - ہم امید کرتے ہیں کہ اس رسالہ کا مطالعہ بنی نوع کے ہمدردوں اور رحم دل تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کو اپنے پراگندہ روزگار ہم وطنوں کی خبر گیری پر مجبور کریگا +

جرائم پیشہ اقوام پنجاب

ہندوستان کا کوئی صوبہ ایسا نہیں جس میں جرائم پیشہ اقوام نہ پائی جاتی ہوں تاکہ مضمون طویل نہ ہو جائے۔ ہم صرف پنجاب ہی کی ایسی قوموں تک اپنے بیان کو محدود رکھینگے۔ البتہ تاریخی حالات کی تحقیق میں اگر بیرون پنجاب باقی صوبوں کی بعض اقوام کا ذکر ضروری ہوا تو وہ بھی مجملاً پیش کر دیا جائیگا۔

نہ معلوم اصل تعداد ان اقوام کے افراد کی کیا ہے۔ ان میں جو اشخاص قانون اقوام جرائم پیشہ پنجاب کی ماتحت لائے جا چکے ہیں اُنکی تعداد بشمول زن و بچہ ۱۹۱۸ء تک ڈیڑھ لاکھ کے قریب تھی۔ اور سب سے آخری تعداد و شمار میں اسی تعداد کا ذکر کیا گیا ہے ایکٹ مذکور کا نفاذ بے سوچے سمجھے جرائم پیشہ اقوام کے تمام افراد پر نہیں کیا گیا بلکہ صرف ان اشخاص پر جو امن عامہ کیلئے خطرے کا باعث تھے اور آئے دن چوری ڈاکہ قلب سکہ قتل وغیرہ کی وارادت ان سے سرزد ہوتی رہتی تھیں پھر ڈیڑھ لاکھ کی تعداد منہ سے کہنے کو کم ہو۔ اتنے انسانوں کی معاشرتی اور تمدنی اصلاح ہو جائے تو نہ صرف سوسائٹی ان کے خطرات سے محفوظ ہو جائے بلکہ ممکن ہے وہ سوسائٹی کا ایک نہایت مفید اور کار آمد حصہ بنجائیں۔

قانون اقوام جرائم پیشہ نے پنجاب کی جن قوموں کو اپنے ماتحت لیا ہے ان میں سے بعض خانہ بدوش ہیں جنکا پیشہ چوری اور راہزنی ہے اور بعض ایسی ہیں جو مختلف علاقوں میں مقیم بھی ہیں اور ہر قسم کے جرائم کی عادی بھی ان میں مشہور مفصلہ ذیل ہیں:-

(۱) بوریئے (۲) سانسی (۳) مینے (۴) ہارنی (۵) پکھیواڑے (۶) جہتم (۷) تاگو (۸) گنگلے (۹) دھنیور (۱۰) ڈھلون (۱۱) تھرانے اور بالہ (۱۲) بھیڈ کٹ (۱۳) نور محرم اور اکلا حیاب بلوچ (۱۴) کھرل اور ولانے (۱۵) کچبند وغیرہ وغیرہ۔ ان میں بعض بڑی بڑی اقوام کی وہ روایات جو یہ لوگ خود بیان کرتے ہیں مختصر الفاظ میں سب سے پہلے درج کیجائینگی اور پھر اسکے بعد مجملاً یہ بتایا جائیگا کہ تاریخی اعتبار سے یہ اقوام اپنے اصل و نسب کے لحاظ سے کس نسل سے تعلق رکھتی ہیں انکے آباء اجداد کون تھے؟ زمانہ ماضی میں اُنکی کوئی معاشرت تھی؟ اگر تھی تو کیسی تھی۔ کس طرح بتدریج اپنی موجودہ خانماں بربادی کی منزل تک پہنچے اور زمانہ حال میں انکی اصلاح و درستی کیلئے کیا کیا کوششیں کی جا رہی ہیں۔

مشہور جرائم پیشہ اقوام کے دلچسپ حالات[1]

بوریئے

اصل ونسب

بوریہ قوم کے لوگوں سے زبانی تحقیقات کے بعد جو حالات سرڈنزل ابٹس اور مسٹر ولیمس (انڈین پولیس) وغیرہ نے مردم شماری کی اور دیگر رپورٹوں میں قلمبند کئے ہیں ان کا خلاصہ مختصر الفاظ میں یہ ہے:-

قوم کا نام بوریہ کس طرح رکھا گیا اس کے متعلق مختلف روائتیں ہیں ایک گروہ کہتا ہے کہ شہنشاہ اکبر نے سانڈل راجہ چتوڑ سے ڈولا (یعنی بیٹی) طلب کیا - اس نے انکار کیا - جنگ ہوئی - جس میں دونو طرف کے بعض بہادر ایک "باؤلی" (ایک قسم کا پانی کا کنواں) کے نزدیک لڑ رہے تھے - راجپوتوں کی طرف کے جو لوگ تھے وہ "باؤلئے" کے نام سے مشہور ہو گئے - دوسرا فریق کہتا ہے کہ چتوڑ کی لڑائی کے بعد ایک نوجوان ایک راجپوت لڑکی پر فریفتہ ہو گیا - بعد میں اس سے شادی کر لی - تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ بیوی کو چھوڑ کر جنگل کی طرف بھاگ نکلا - بیوی کے رشتہ داروں نے باؤلا (دیوانہ) کہنا شروع کر دیا - اس کے بعد تمام خاندان "باؤلے" کے نام سے مشہور ہو گیا +

مسٹر ولیمس کا بیان ہے کہ روایت کے بموجب بوریئے - چاندا اور جوڑا کی اولاد ہیں فتا اور جیمل سورج بنسی خاندان کے دو راجپوت جس زمانہ

---

[1] یہ حالات زیادہ تر گلاسری آف پنجاب ٹرائبس اینڈ کاسٹس سے اخذ کئے گئے ہیں پنڈت ہری کشن صاحب کول اور مسٹر ایل ٹاملنس صاحب کی سرکاری رپورٹ اور مردم شماری کی بعض رپورٹوں سے بھی مدد لی گئی ہے +

میں چتوڑ پر مشترک حکومت کرتے تھے - شہاب الدین[1] غوری نے قلعہ کا محاصرہ کیا - راجپوتوں نے مدافعت کی - دوسری جنگی قوموں میں سے قلعہ کی مدافعت میں جو شریک ہوئیں - ان میں بھیل تو تیر انداز تھے اہیرے شمشیر زن اور بوریئے بندوقچی - اس لحاظ سے بوریئے اگرچہ اپنی قوم راجپوت بتاتے ہیں - تاہم اپنے آپ کو حکمران راجپوتوں کے ہم مرتبہ نہیں سمجھتے - بلکہ سمجھتے ہیں کہ انکے ہم ایک قسم کے معاون و مددگار رہیں - بعض بوریئے ابھی تک اپنے دائیں بازو پر ایک لوہے کا کڑا پہنتے ہیں - جو کسی زمانہ میں راجپوتوں کا امتیازی نشان تھا - بہت سی قومیں ایسی ہیں جو اب نیچ کہلاتی ہیں مگر جن کے متعلق بوریئوں کا بیان ہے کہ وہ چتوڑ کی مدافعت میں ان کے ساتھ شریک تھیں - مثلاً گاڈی لوہار اور دیگر ایسی قومیں - اب نہ صرف یہ لوگ راجپوتوں کے امتیازی نشانات ہی اپنے پاس رکھتے ہیں بلکہ ان کا عقیدہ ہے جس کا کھلم کھلا اظہار کرتے ہیں کہ جب تک ہم چتوڑ کے قلعہ پر دوبارہ قابض نہیں ہونگے ہماری قسمت میں یہی لکھا ہے کہ آوارہ حال و پریشاں روزگار رہیں +

رسوم و عقائد

ضلع گوڑگاؤں میں بوریئوں کی تعداد بہت زیادہ ہے - لاہور کے ضلع اور ریاست پٹیالہ کے بعض علاقوں میں بھی ملتے ہیں - ان کی

---

[1] مسٹر ولیمس نے ان لوگوں سے روایت جیسی سنی ویسی درج کر دی - ورنہ یہ واقعہ شہنشاہ اکبر سے متعلق ہے اس نے ۶۸-۱۵۶۷ء میں چتوڑ کا محاصرہ کیا - رانا سبھو دیا (اودھے پور) کی طرف سے جیمل اور فتا نے مقابلہ کیا - جیمل کو خود شہنشاہ اکبر نے گولی سے ہلاک کیا - شہنشاہ نے ان دو کو بہادر راجپوتوں کے مجسمے قلعہ آگرہ کے دروانے کے سامنے بطور یادگار نصب کرائے - اکبر کے علاوہ چتوڑ کا محاصرہ کرنے والا علاؤالدین خلجی تھا - مگر وہ واقعہ ۱۳۰۳ء کا ہے اور اسے فتا اور جیمل سے کوئی تعلق نہیں +

انیس گوتیں ہیں جو بعض ایک دوسری سے شادی وغیرہ کے تعلقات جائز نہیں سمجھتیں ؂

بوریئوں کے مشہور معبود تین ہیں (۱) دیوی (بمقام نگر کوٹ) (۲) ظاہر پیر (جسے گُگّا کہتے ہیں) اور (۳) ٹھاکر جی (کرشن جی) بعض بوریئے سورج کی پرستش بھی کرتے ہیں۔ اتوار کو برت رکھتے ہیں۔ جنئو کبھی نہیں پہنتے۔ گدھے کی قسم کبھی نہیں کھاتے۔ نہ معلوم اس کی وجہ کیا ہے۔ مسٹر ولیمس لکھتے ہیں کہ بوریئوں کو گدھے کی سواری سے منع کیا گیا ہے۔ اور اس کے احترام کی ہدایت کی گئی ہے۔ افسوس کہ گدھا گدھا ہے ورنہ آج اسے یہ علم ہو جائے کہ اس "بیسویں صدی" میں بعض اشرف المخلوقات ایسے ہیں جو اسے متبرک و مقدس خیال کرتے ہیں تو "یقین کامل" ہے۔ اگر اور کچھ نہیں تو کم از کم "گھاس کھانا" ضرور چھوڑ دے بوریئے گائے اور بیل کی پرستش بھی کرتے ہیں۔ گوشت کھاتے ہیں مگر اس جانور کا جس کو اپنے ہاتھ سے شکار کیا ہو یا کاٹا ہو۔ لاہور کے گرد و نواح میں جہاں بوریئے جرائم پیشہ نہیں اُن کی اپنی خاص بولی ہے جسے "لاڈی" کہتے ہیں۔ اُن کی اس زبان کو صرف بھیل۔ سانسی۔ کنجر اور دیگر ایسی ہی اقوام سمجھتی ہیں ؂

شادی کی نہایت مہذّبانہ رسوم

اس قوم کی شادی کی بعض رسمیں نہایت عجیب و غریب ہیں۔ بوریئے اپنی گوت کے اندر شادی نہیں کرتے۔ سگائی میں اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ لڑکا لڑکی سے کسی صورت عمر میں چھوٹا نہ ہو۔ یہ رسم ہمارے خیال میں نہایت اچھی بلکہ قابلِ تقلید ہے۔ جو رسم شادی کے سلسلے میں خاص ذکر کی محتاج ہے۔ وہ یہ ہے کہ اندھے مرد کی شادی صرف اندھی عورت سے ہو سکتی ہے۔ اور اسی طرح کانے مرد کی کانی عورت سے۔ اس کے علاوہ خوبصورت مرد کے لئے خوبصورت عورت تلاش کی جاتی

ہے - اور بدصورت مرد کے لئے بدصورت عورت - معلوم ہوتا ہے -
رسوم شادی میں یہ لوگ بڑے نکتہ رس اور اہل نظر واقع ہوئے ہیں
اگر ان رسوم پر پابندی سے عمل کیا جاتا ہے تو کہنا پڑے گا کہ حسن
وخوبصورتی کی قدرشناس اور پاسدار ان ایسی کیا مشرق اور کیا
مغرب تمام دنیا میں کوئی قوم نہ ہوگی - ایسی قوم میں بوالہوس تو یقیناً
اور قطعاً نہیں پیدا ہو سکتے ہوں گے - "شیوۂ اہل نظر" کی "آبرو"
بھی ایسے لوگوں سے دنیا میں قائم رہ سکتی ہے - غالب کو علم ہوتا تو
ایسی قوم کو تمام دنیا سے بڑھکر مہذب خیال کرتا اور اشعار میں ان کی
اس رسم کی داد دیتا - یہی نہیں - غیر قوم کی عورت کے ساتھ مباشرت
کرنے والے کا حقہ پانی بند کر کے اسے برادری سے خارج کیا جاتا ہے
مگر طرہ یہ کہ باوجود ان رسوم کے جہاں تک باقی اخلاق کا تعلق ہے -
یہ قوم "جرائم پیشہ" ہے - بوریئے بعض علاقوں میں زراعت بھی کرتے ہیں
مگر بالعموم شکاری ہیں - کتے ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے ہیں - ان کے
شکار کرنے کے بعض طریق بڑے سائنٹیفک سے معلوم ہوتے ہیں افسوس
کہ مضمون اس تفصیل کا متحمل نہیں ہو سکتا +

سانسی

عام حالات اور اصل ونسب

سانسی وسطی پنجاب کی خانہ بدوش قوم ہے۔لاہور۔ امرت سر۔ لدھیانہ۔کرنال۔ گجرات کے اضلاع میں ان کی تعداد زیادہ ہے۔ان کی اپنی روایات کے مطابق ان کے آباو اجداد مارواڑ اور اجمیر کے اصل باشندے تھے۔ بالعموم جنگلی جانوروں کو شکار کر کے کھاتے ہیں۔ بھیڑ۔ بکری۔ گدھا بھی پالتے ہیں۔ جھونپڑوں میں بستے ہیں۔ ان میں جوان۔ توانا۔ تندرست تو چوری اور رہزنی کو اپنا پیشہ بناتے ہیں۔ بوڑھے۔ بچے۔ عورتیں گداگری کی آڑ میں جرائم بھی کرتے ہیں۔ اور "تماشائے اہل کرم" بھی دیکھتے ہیں۔ عورتیں ناچتی اور گاتی بھی ہیں۔ بعض ایسی بھی ہوتی ہیں کہ رنڈیوں کی طرح "پیشہ" کرنے لگ جاتی ہیں +

سانسی گیارہ بارہ فیصدی مسلمان ہیں۔ تھوڑے سکھ ہیں۔ اور باقی ہندو +

جرائم پیشہ اقوام میں سانسی سب سے زیادہ مشہور ہیں جرائم کی دل دادہ جس قدر یہ قوم ہے۔ اور کوئی نہ ہو گی۔ جن علاقوں میں لوگ سانسیوں سے بوجہ ان کی وارادات کے ڈرنے لگ جاتے ہیں۔ وہاں یہ لوگ جب دوبارہ جاتے ہیں۔ تو سانسی نہیں کہلاتے۔ بلکہ بھیڈ کٹ۔ کیکن۔ کنجر وغیرہ کے مختلف ناموں سے اپنے آپ کو پکارتے ہیں معلوم

ہُوا - کہ بھیڈ کُٹ - کیکن وغیرہ الگ قومیں نہیں - بلکہ سب سانسی ہیں - اگر اس قوم کی اصلاح ہو جائے - تو اُمید کی جا سکتی ہے - کہ پنجاب میں بہت بڑی حد تک - جرائم کا انسداد ہو جائے ٭

تمام سانسی اقوام اپنے آپ کو سانسؔ مل کی اولاد بتاتی ہیں اس شخص کے متعلق سوائے اس کے اور کچھ نہیں بتایا جاتا - کہ وہ بھرتپور کے علاقہ کا رہنے والا تھا - ایک چوہان راجپوت عورت کا بیٹا تھا - جس نے کسی نیچ ذات کے مرد سے شادی کر لی - " ذات " کے قواعد کے ماتحت اس عورت کی تمام نسل اور اولاد نیچ قرار دی گئی - اور راجپوت برادری سے خارج کر دی گئی " ذات " کی رسوم نے بھی ہندوستان میں عجیب طرح یہاں کے تمدن و معاشرت پر اثر کیا ہے - ایک ایک نسل ایک ایک قوم کی سینکڑوں نسلیں اور ہزاروں قومیں بنا دی ہیں - وہ نسلیں اور قومیں جو خانگی اور وراثتی رواج - بیاہ شادی اور مرگ کی رسوم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایکدوسری سے جدا ہو گئیں - یہ بھی رسومِ " ذات " ہی کی پابندیوں اور سختیوں کا ایک ادنےٰ کرشمہ کہئے - جس نے ہندوستان میں " جرائم پیشہ " اقوام پیدا کر دیں - " اعلےٰ " ذات کی عورت اگر ادنےٰ ذات کے مرد سے شادی کا تعلق پیدا کر لیتی - تو اس کے بچّوں اور اس کی اولاد کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی - بے گھرے در بدر آوارہ پھرنے لگتے اور جن حیلوں سے بھی پیٹ بھرنے کو کچھ ہاتھ لگتا - انہیں اختیار کرنے میں دریغ نہ کرتے - آہستہ آہستہ خانہ بدوشی - وشت

؎۱ سرکاری رپورٹ مصنفہ پنڈت ہری کشن صاحب کول و مسٹر ایل ایل ٹامکنس (صفحہ ۵)

جرائم پیشہ لوگوں کی اصل زندگی اور رہنے سہنے کے طریق

نوردی - چوری - راہزنی کی عادتیں طبیعتوں میں راسخ ہو گئیں - اور عام سرکش لٹیروں کے ساتھ مل کر لوٹ غارت اور چوری کو کسب معاش کا ذریعہ بنا لیا" +

سانس مل کے گورو کا نام "ملنگ شاہ" تھا - سانسی اس گرو کا نام بڑے ادب و احترام سے لیتے ہیں - اس کے علاوہ ان کے اور بھی بے شمار گرو اور پیر ہیں - جیل میں جانا قبول کرتے ہیں - مگر اپنے ان گروؤں کے نام پر قسم کبھی نہیں کھاتے +

سانسیوں کی سب سے بڑی دو ذاتیں ہیں - کالکا اور مالکا[1] - دونوں ذاتوں کے لوگ آپس میں شادی نہیں کرتے - مختلف اضلاع میں سانسیوں کے اصل و نسب کی مختلف روائتیں مشہور ہیں - ذاتوں اور گوتوں کے ناموں میں بھی بہت اختلاف ہے - ضلع سیالکوٹ میں ان کی بارہ ذاتیں آباد ہیں ضلع گجرات میں بھی بارہ - اور یہی حال بعض دیگر اضلاع کا ہے +

سانسی اور میراثی

وسطی پنجاب کی جاٹ قوموں کے ساتھ سانسیوں کے کچھ عجیب سے تعلقات ہیں - سانسی جاٹوں کو میراثیوں کا کام دیتے ہیں - جاٹوں کی ہر ذات یا گوت کا الگ الگ سانسی ہے - جو ہمیشہ اس کا شجرۂ نسب یاد رکھتا ہے - اور بیاہ شادی کے موقعوں پر میراثی کی طرح "کلان" کرتا ہے - راجپوتانہ میں تو سانسی اپنے آپ کو کہلاتے بھی "بھاٹ" ہیں - جن کا پیشہ ہی راجپوتوں کا شجرۂ نسب

[1] بعض کے نزدیک کالکا اور مالکا کی بجائے ان قوموں کے نام ماڑا اور میگھ ہیں +

یاد رکھنا اور بیان کرنا ہے۔ فیروز پور کے ڈوگروں ضلع گجرات کے وڑائچ جاٹوں۔ ہوشیار پور۔ جالندھر کے راجپوتوں اور آنند پور کے سوڈیوں کو بھی یہ لوگ یہی کام دیتے ہیں۔ یہ ایک دلچسپ بحث ہے۔ اور ان قوموں کی صحیح تاریخ معلوم کرنے والے کو (اگر کبھی معلوم کرنے کی ضرورت پڑی) یہ تحقیق کرنا ہوگا۔ کہ شجرہ خوانی کا کام ابتدا میں اِن دونو قوموں میں کس سے متعلق تھا میراثی قریباً سب کے سب مُسلمان ہیں۔ ہندو میراثی یا تو بھاٹ کہلاتے ہیں یا غالباً ڈُوم۔ میراثیوں کے اصل و نسب کے متعلق سر ڈنزل ایبٹسن وغیرہ کی تحقیق پر غور کرنے سے جو نتیجہ ہم پیدا کر سکتے ہیں۔ وہ یہ ہے۔ کہ سِندھ میں عربوں کے ایّام حکومت میں اس قوم کی اُنھی قدیم رسوم کے مطابق خود عربوں ہی کا ایک گروہ ایسا تھا۔ جس کا کام مختلف قبائل کے نسبوں کا بیان کرنا تھا۔ تحریر و کتابت کا فن وسیع نہ تھا۔ کہ حکومت جائدادوں اور دیگر حقوقِ وراثت کے مقدّمات کے فیصلوں کے لئے عام طور پر رجسٹر وغیرہ رکھتی۔ اس لئے اپنی قدیم رسم کے مطابق جس طرح اپنے مُلک یعنی عرب میں اپنے ہر قبیلے کے ساتھ وُہ اپنا ایک ایک "راوی" رکھتے تھے۔ اُنہوں نے یہاں بھی میراث کے متعلق جو شجرہ یاد رکھنے کا ضروری کام تھا۔ ان لوگوں کے سپرد کر دیا۔ اور ان کو "میراثی" کے نام سے پکارنا شروع کیا +

اس کی مثال بعینہٖ اسی طرح ہے جس طرح پنجاب میں اب تک بعض قومیں اپنے قدیم پیشوں کے نام سے پکاری جاتی ہیں سندھ میں عربوں سے پہلے جو "سنفین" اقوام (مثلاً جاٹ وغیرہ) آباد

تھیں۔ وہ بھی قدیم الایّام سے زراعت پیشہ تھیں۔ اور کوئی وجہ نہیں۔ کہ میراث کے جھگڑوں کے انفصال کے لئے ان کے پاس اپنی قوم سے یا سندھ[1] کی پرانی اصل اقوام میں سے کوئی گروہ ایسا نہ ہو۔ جو ان کے شجرے یاد رکھتا ہو۔ اور زمین وغیرہ کے مقدمات کے فیصلوں میں مدد دیتا ہو۔ یہ گروہ ممکن ہے انہیں قوموں کا ہو۔ جو اب سانسی وغیرہ کہلاتی ہیں۔ اور نسبوں کو یاد رکھتی ہیں۔ یا اگر "ستھین" اقوام میں پہلے یہ رسم نہ تھی۔ تو عربوں نے اسے رائج کیا۔ اور پھر عربوں کے بعد ان قوموں نے زراعت کی ضروریات کے لحاظ سے اب تک اسے جاری رکھا۔ سندھ میں سیاسی انقلاب آئے۔ عرب زیادہ عرصہ سندھ پر حکومت نہ کر سکے۔ جاٹوں کو بھی اور بعض عرب قوموں مثلاً سیّدوں وغیرہ کو سندھ سے پنجاب۔ راجپوتانہ اور ممالک۔ متحدہ کے میدانوں کیطرف رُخ کرنا پڑا۔ اس عرصہ تک کئی جاٹ قومیں مسلمان بھی ہو چکی ہونگی۔ جو جاٹ ہندو تھے۔ وہ سانسیوں سے شجرہ خوانی کا کام لیتے رہے۔ اور اب تک لیتے ہیں۔ سیّد اور مسلمان مذہب کی جاٹ قومیں یا بعض ہندو بھی۔ یا تو اصل مسلمان یعنی "عربی میراثیوں" کو اپنے ساتھ اپنے نئے وطنوں میں لے آئے یا "میراثی" کی اِصطلاح عربوں سے لے لی۔ اور اسی اصطلاح سے اپنے شجرہ

---

[1] موجودہ تاریخی تحقیقات بتاتی ہے۔ کہ سندھ میں بھی ہندوستان کے قدیم باشندے آباد تھے۔ بعض کا خیال ہے۔ کہ اِن قدیم نسلوں میں ایک قوم وہ بھی ہے۔ جو اب "مینا" کہلاتی ہے۔ اور پنجاب کی جرائم پیشہ اقوام میں شمار ہوتی ہے۔ (تاریخ ہند مصنفہ سر۔ انچ ایلیٹ۔ صفحہ ۵۰۳)

خوانوں یعنی سانسیوں کو پکارنا شروع کر دیا۔اس سے
یہ معلوم ہوتا ہے۔کہ تمام کے تمام میراثی جیسا کہ ان کا
دعوےٰ ہے۔عربی النسل نہیں۔بالکل ممکن بلکہ یقینی ہے
کہ موجودہ میراثیوں میں بعض ایسے بھی ہوں۔جو نام کے
میراثی ہوں۔۔اور اصل میں سانسی ہوں۔پنجاب میں اِسوقت
تک بعض بوڑھے جاٹ ایسے ملتے ہیں۔جو شہادت دیتے
ہیں۔کہ ہمارے کئی موجودہ میراثیوں نے ہمارے شجرے
ہمارے پُرانے سانسیوں سے سیکھے۔اور یہ اِس لئے
کہ شجرہ خوانی اور نسب دانی کا کام اب بہُت حد تک
ان لوگوں سے مخصُوص ہو چُکا ہے۔جو "میراثی" کے نام
سے پُکارے جاتے ہیں۔عام سانسیوں کے جرائم پیشہ
ہونے کی وجہ سے زمیندار قوموں نے ان سے نسب
دانی کا کام لینا چھوڑ دیا ہے۔اور اب جو جاٹ قومیں "سانسی"
رکھتی ہیں۔اور میراثی نہیں رکھتیں وہ برادری میں موردِ
طعن ٹھہرائی جاتی ہیں۔

یہ تحقیق کہ میراثیوں میں کون عرب ہیں اور کون
ہندوستان کے اصل باشندے یا "ستھین"۔اس مضمون
کے دائرے سے خارج ہے۔سانسی ابھی تک میراثیوں کی
طرح نسب دانی و شجرہ خوانی کا کام دئے جا رہے ہیں
آئندہ تہذیب و تعلیم اور تحریر و کتابت کا زمانہ۔
(یعنی جب جاٹ بحیثیّتِ قوم لکھے پڑھے ہو جائیں گے) یہ
کام اُن قوموں کے سُپرد رکھے گا یا نہیں۔یہ خود
زمانہ فیصلہ کریگا۔

رسوم اور عادات وخصائل

سانسی ہر جگہ جرائم پیشہ ہی نہیں۔ بعض علاقوں میں بطور کاشت کار زراعت کا کام بھی کرتے ہیں۔ پنجاب گورنمنٹ کی ۱۸۸۱ء کی ایک رپورٹ میں ان کے متعلق لکھا ہے۔ کہ "ان کی عادات و خصائل مختلف علاقوں میں مختلف ہیں۔ قریباً نصف صدی پیشتر لاہور کے گرد و نواح کے سانسی جرائم پیشہ اقوام میں شمار نہ تھے۔ بلکہ جاٹوں کے مزارعہ تھے۔ اور ان کو نسب دانی اور شجرہ خوانی کا کام دیتے تھے۔ برعکس اسکے گورداسپور کے ضلع میں نہایت وحشیانہ اور رخطر ناک جرائم کے مرتکب تھے"۔ جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے۔ شجرہ خوانی کا کام یہ لوگ اب بھی کئی ایک اضلاع میں دیتے ہیں۔ مگر قوم کا اکثر حصّہ جو قدیم زمانے سے خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتا اور چوری اور لوٹ مار پر اپنی بسر اوقات کرتا چلا آ رہا ہے۔ وہ تاوقتیکہ اقامت کی زندگی کا عادی بن کر زراعت اور صنعت وغیرہ کے اچھے پیشے اختیار کر کے مجرمانہ زندگی سے نفرت نہ پکڑے تمام قوم کی حالت کا سُدھرنا محال ہے +

تمام سانسیوں میں تلوار کی قسم سب سے بڑی قسم خیال کی جاتی ہے۔ بعض تو ان میں تلوار کی پوجا کرتے ہیں سیالکوٹ کے ضلع کے سانسی تلوار یا بھالہ ہاتھ میں لے کر کبھی جھوٹی قسم نہیں کھاتے۔ یہ رسم بتاتی ہے۔ کہ اس قوم کا ابتدا میں ضرور کسی بہادر اور شمشیر زن قوم سے تعلق ہوگا۔ خواہ

وہ بہادر قوم راجپوت تھی یا کوئی اور - مگر افسوس - کہ انقلاب زمانہ نے ان کو جرائم پیشہ بنا دیا - اور اُن میں ایسی مذموم اور قبیح عادات و اطوار پیدا کر دیں - کہ جن کا ذکر کرتے ہوئے شرم آتی ہے +

سانسی جب چوری وغیرہ میں گرفتار ہوتے ہیں تو نہ اپنا صحیح نام بتاتے ہیں نہ اپنے قبیلے کا - بلکہ جہاں بستے ہیں یا ڈیرا کرتے ہیں وہاں گرد و نواح میں چوری نہیں کرتے - اِس قسم کی رسمیں اور پابندیاں ڈاکوؤں - ٹھگوں جُوئے بازوں اور دیگر اس قسم کی جماعتوں میں عام ہوتی ہیں - ہر سوسائٹی کے اندرونی حلقہ میں خواہ وہ سوسائٹی عوام کی نگاہ میں کیسی ہی ذلیل اور گری ہوئی کیوں نہ ہو - باہمی اعتماد اور اخلاق کے چند اصول اور قواعد ہوتے ہیں - جن پر کار بند رہنا اس کے افراد اپنا مذہبی فرض سمجھتے ہیں - اگر وہ ان اصول کو ہاتھ سے دے بیٹھیں یا ان کی خلاف ورزی کریں - تو ان کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے +

آپ نے دیکھا ہوگا یہ لوگ اپنے مقدّمات بھی اپنی ہی پنچائتوں میں فیصلہ کرتے ہیں - اور کریں کیوں نہ - عام عدالتوں میں اپنے مقدّمے لے جائیں - تو ان کے ہزار قسم کے اندرُونی راز کھُل جائیں - یہی وجہ ہے - کہ اپنی پنچائیتوں کی عاید کردہ تعزیریں اور سزائیں قبول کرنے سے انہیں کبھی عُذر نہیں ہوتا +

سانسیوں کی بولی

سانسیوں کی بولی عجیب قسم کی ہے۔ سوائے سانسیوں کے اِس بولی کو نہ کوئی سمجھ سکتا ہے۔ نہ غالباً سیکھ سکتا ہے۔ سرکاری افسروں میں سے بعض نے اِس زمانہ میں کوشش کی ہے۔ مگر اکثر ناکام رہے۔ مسٹر ایچ۔ اے۔ روز لکھتے ہیں۔ کہ سانسیوں کی زبان ایجاد ہونا بھی قدرت کے یا انسان کے عجائبات سے ہے +

دنیا کی اور زبانیں تو خدا جانے کن کن ضروریات اور اسباب سے پیدا ہوئیں ۔ سانسیوں کی زبان ایسی ہے۔ جس کو محض جرائم کے ارتکاب کی خواہش یا جرائم کو چھپانے کے لئے پرائیویٹ اِصطلاحات کے وضع کرنے کی ضرورت نے پیدا کیا۔ سانسی عام طور پر پنجابی یا بگڑی ہوئی ہندوستانی زبان بولتے ہیں۔ مگر جب کبھی آپس میں راز کی بات کرنا ہو۔ تو پھر اس اپنی خاص بولی ہی میں کرتے ہیں۔ ان کے اپنے ایجاد کردہ الفاظ اور اصطلاحات بھی ہیں۔ مگر عام طور پر لب و لہجہ کی تبدیلی سے عام پنجابی اور ہندوستانی الفاظ کا تلفظ بگاڑ لیتے ہیں۔ اور اس سے نئی زبان پیدا کر لیتے ہیں۔ جس کو عام لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ ”ص“ یا ”س“ کو ”ن“ سے بدل کر ”صاب“ (صاحب) کو ”ناب“ اور ”سارا“ کو ”نارا“ کہتے ہیں۔ ”ب“ کو ”ن“ سے بدل کر ”پیسا“ کو ”نیسا“ اور ”د“ کو ”کھ“ سے بدل کر ”دس“ کو ”کھس“ کہتے ہیں +

سانسیوں کی طرح بھیڈ کٹوں کی بھی الگ اپنی بولی ہے۔ بعض کا خیال ہے۔ بھیڈکٹ بھی اصل میں سانسی

ہیں۔ ممکن ہے۔ شروع میں ایک ہی ہوں۔ اب یہ دونو قومیں بلحاظ رسوم کے بالکل مختلف ہیں۔ دونو کی پرائیویٹ بولی میں بھی کچھ فرق ہے۔ ذیل میں بعض چیزوں اور جانوروں کے نام درج کئے جاتے ہیں۔ جن کو چرانے کے یہ عادی تھے اور بتایا جاتا ہے۔ کہ ان دونوں قوموں کی بولیوں میں ان کے کیا نام ہیں +

سانسی

جوتی کو کہتے ہیں پاؤنی
روپیہ " " بلُووا (کھیٹا)
گدھی (کھوتی) " گوَنی
بھیڑ (بھیڈ) " ایڈڑی
بکری کو کہتے ہیں ہیمڑی

بھیڈکُٹ

جوتی کو کہتے ہیں گوَنی
روپیہ " " بلووا
گدھی (کھوتی) " کھُرکی
بھیڑ (بھیڈ) " نوکھنی
بکری کو کہتے ہیں چالی
بَیل " " لوڈ
گائے " " نالسی
پگڑی " " کوتیا
چادر " " ریچھڑا

سرکاری حکّام یا سپاہی جب ان کی تلاش میں نکلتے ہیں اور ان کو آتے یہ دیکھ پاتے ہیں۔ تو اس وقت خاص طور پر اپنی بولی کے الفاظ اِستعمال کرتے ہیں۔ تاکہ حکام سمجھ نہ سکیں۔ سانسی تھانیدار کو "کوکم" کہتے ہیں۔ بھیڈکٹ کہتے ہیں "نانیدار" یا "بوگرا" سپاہی کو سانسی "گھوگھل" کہتے ہیں۔ بھیڈکٹ "گھپائی" یا "چیوٹر"۔ جاٹ کسی گاؤں سے کبھی سانسیوں کے تعاقب کو نکلیں۔ تو پہلا شخص جسے لوگ آتے

نظر آئیں گے ۔ وہ بجائے اس کے کہ کہے " لوگ آ گئے ہیں ۔ بھاگ چلو "، یا پنجابی میں " لوگ آ گئے نس چلو "، اپنی بولی میں یوں کہے گا " واہر آ گئی ۔ کِھنسی جا سرو " اگر کہنا ہو ۔ تھانیدار یا سپاہی آ گیا ۔ تو بھیڈ کٹ کہے گا " ناٰنیدار اِستری گیا "، یا " گھپائی اِستری گیا "، اگر کہنا ہو " حاکم آ گیا بھاگ نکلو "، تو کہیں گے " کھڈور آ گیا ای چلو بِنگ چلو " جب کسی رات چوری وغیرہ کو جانے کا ارادہ ہو تو کہتے ہیں " اج رات گھیمئے چلنا اے "۔

عام کنجروں کی اصطلاح میں " روپیہ " کو " بھیمٹا " کہتے ہیں ۔ مگر سانسیوں کی عام بولی میں بھی روپے کو " بھیمٹا " کہتے ہیں ۔ ممکن ہے ۔ کنجروں نے اپنے پیشے کے متعلق بہت سے اصطلاحی الفاظ سانسیوں ہی کی زبان سے لئے ہوں ۔ یا سانسیوں میں " پیشے " کا رواج عام کنجروں سے پہلے ہو ۔

سانسی جنوبی ہند کے سوا باقی تمام ہندوستان کے صوبوں میں کم و بیش تعداد میں ملتے ہیں ۔

مینے
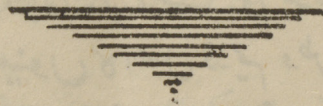
مینے اپنے آپ کو راجپوت کہتے ہیں - اور سر ڈنزل ابٹسن
کا خیال ہے - کہ یہ ضرور راجپوت ہیں - سنسکرت میں لفظ
"مین" کے معنی مچھلی کے ہیں - بعض کہتے ہیں - ایک راجپوت
مرد نے ایک "مینی" یعنی ماہی گیر عورت سے شادی کر لی تھی - مینے
اس عورت کی اولاد سے ہیں - پنجاب میں جو دیہاتی عورتیں ایک
دوسری کو کسی بات پر "مینہ" دیتی ہیں - بعض کا خیال ہے کہ
وہ لفظ بھی یہیں سے نکلا ہے - کسی عورت کے ذمہ جب زنا
وغیرہ کا الزام لگایا جاتا ہے - تو اس کو اس کے منہ پر جتانے
کو "مینہ" کہتے ہیں - اصل میں بڑی قوم کے مرد یا عورت
کو چھوٹی قوم کے مرد یا عورت سے ناجائز تعلق پیدا کرنے کو
شروع میں "مینہ" کہا گیا ہوگا - آہستہ آہستہ لفظ کا اطلاق عام
ہو گیا ۔

پنجاب میں مینوں کی جتنی آبادی ہے - سب جرائم پیشہ ہے -
راجپوتانہ میں ان کے اکثر لوگ زراعت بھی کرتے ہیں - الور اور
جے پور کی ریاستیں مینوں کا اصل قدیم وطن ہے - جے پور
کے متعلق کہا جاتا ہے - کہ یہ شروع میں بنی ہی چھوٹی چھوٹی مینا
قوم کی ریاستوں سے تھی - گڑگاؤں کے ضلعے میں مینے کاشتکار
ہیں - مگر باوجود کاشتکار ہونے کے چوری بھی کرتے ہیں ۔

ریاست الور کے گزٹ میں میجر پولٹ لکھتے ہیں - کہ بہت سا
حصہ اس علاقہ کا جو اب مہاراجہ جے پور کے ماتحت ہے - اس پر
ابتدا میں مینا قوم حکمران تھی - باقی راجپوت قوموں میں مینوں
کی قدر و منزلت اب بھی کم نہیں - راجپوت ان کے ہاتھوں کا

کھاتے پیتے ہیں۔ اور ریاست جے پور میں جس قدر اعتماد اس قوم کے سپاہیوں اور سنتریوں پر کیا جاتا ہے۔ اور کسی پر نہیں کیا جاتا۔ میںوں کی دو جماعتیں ہیں۔ ایک سپاہ گری کرتے ہیں۔ اور "چوکیداری" کہلاتے ہیں۔ دوسرے زراعت پیشہ ہیں۔ اور "زمینداری" کہلاتے ہیں۔ یہی "چوکیداری" مینے ہیں جو ہندوستان میں سب سے زیادہ مشہور لٹیرے اور ٹھگ ہیں۔ جتھے بناکر دور دراز کا سفر کرتے ہیں۔ اور بڑی بڑی چوریاں اور ڈکیتیاں کرتے ہیں۔ ہندوستان کے محکمہ انسداد ٹھگی کو جس قوم کے ساتھ سب سے زیادہ سابقہ پڑا۔ وہ یہی میںوں کی قوم تھی۔ میںوں نے راجپوتانے کی ریاستوں کے باہمی لڑائی جھگڑوں میں بڑا نمایاں حصّہ لیا۔ اور ہمیشہ ایک راجے مہاراجے کی طرف ہوکر دوسرے پر حملے کرتے رہے۔

مسلمانوں کی تاریخوں میں میںوں کو "مینی" یا "مین" لکھا ہے۔ بھٹیوں کی طرح علاؤالدین خلجی نے میںوں کے بھی تمام علاقوں کو مسخّر کر کے ابوہر (ضلع فیروزپور) کے صوبے کے ساتھ ملحق کر دیا تھا۔ محمّد شاہ کے عہد حکومت کے ایک زمانہ میں بھی بعض مینے سردار بھٹی سرداروں کے ساتھ مل گئے تھے۔

پنجاب کے مینے یہاں کی تمام جرائم پیشہ اقوام سے بہادر ہیں ان کا ہیڈ کوارٹر شاہ جہاں پور ہے۔ جو ریاست الور کے اندر ایک جزیرہ کی طرح بہت چھوٹا سا سرکاری مقبوضہ ہے۔ اور گڑگاؤں کے ضلع میں شامل ہے۔ مینے مارواڑ میں بہت زیادہ آبادی میں ہیں۔ جرائم پیشہ مینے جس رقبہ میں ملتے ہیں۔ وہ قریباً ۵۰ میل لمبا اور ۴۰ میل چوڑا ہے۔ ریاست نابھ میں مینے

عـ۱ گلاسری آف ٹرائبس۔

باول کی نظامت میں پائے جاتے ہیں ٹھگی کے دنوں میں (۱۸۷۰ء)
جو حالت شاہ جہان پور کی تھی۔ اس کے متعلق کرنل ہروی
جنرل سپرنٹنڈنٹ محکمہ انسداد ٹھگی کی رپورٹ نہایت دلچسپ
ہے۔ اس قوم کے پانسو سے زیادہ لٹیرے اس شہر میں آباد
تھے۔ ٹھگی اور قتل و غارت کے سوا ان کا کوئی اور پیشہ نہ تھا
سواری کے لئے نہایت چست و چالاک سانڈنیاں اپنے پاس
رکھتے تھے۔ ہزاروں میلوں پر جا کر واردات کرتے تھے۔
سینکڑوں ہزاروں نہیں لاکھوں کروڑوں روپے اور زرو
جواہر لوٹ مار کر لاتے تھے۔ اس لوٹ مار سے صدقہ اور خیرات
بھی کرتے تھے۔ بعض بڑے فیاضوں نے سدا برت اور لنگر
بھی جاری کر رکھے تھے۔ بظاہر زراعت کا شغل بھی تھا۔
بوڑھے اور بچے کھیتوں میں زراعت کے کام میں مصروف
نظر آتے تھے۔ مگر یہ سب سلسلہ برائے نام تھا۔ یہ بوڑھے
اور بچے جو گھروں میں مقیم رہتے تھے۔ اپنے دور گئے ہوئے
رشتہ داروں کے لئے جاسوسوں کا کام دیتے تھے۔ سرکاری
افسر جو ان کی بستیوں میں اُن کو دیکھنے کے لئے آتے۔ یہ
بوڑھے اور بچے اُن کا خیال رکھتے۔ اور دریافت و تفتیش
کے وقت نہایت چالاکی و عیاری سے غیر حاضر افراد کا نام و
نشان اُن سے چھپاتے۔

بڑے بڑے نامی مینے قرب و جوار کی ریاستوں کے وزیروں اور
اہلکاروں سے اپنا گہرا تعلق قائم کر لیتے تھے۔ پھر اُن کی پناہ اور آڑ میں
جو فتنے چاہتے برپا کرتے تھے۔ اُن کی لوٹ مار اور غارت کی ایسی
سینکڑوں مثالیں سرکاری کاغذات میں محفوظ ہیں۔ جن میں مسافرو
اور بڑے بڑے امیروں اور ساہوکاروں سے ان لوگوں نے لاکھوں روپے
اور مال و جواہر لوٹے۔

ہارنی

ہارنیے اپنے آپ کو بلوچ کہتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ ہرن کے شکار میں ماہر تھے۔ اس لئے لوگوں نے ان کو ہارنیے کہنا شروع کر دیا۔ سر ڈنزل ابیٹسن کا خیال ہے۔ کہ یہ لوگ "بھاٹنیر" کے علاقے کے اصل باشندے تھے۔ اور کسی قحط کے زمانہ میں وہاں سے نکل کر خانہ بدوش قوموں میں شامل ہو گئے۔ بمبئی کے علاقہ میں ایک اسی قسم کی جرائم پیشہ قوم ہے۔ جس کو "ہرن شکاری" کہتے ہیں۔ وہ لوگ عادات و رسوم میں پنجاب کے سانسیوں سے ملتے جلتے ہیں۔ کچھ تعجب نہیں۔ کہ پنجاب کے ہارنیے اور بمبئی کے "ہرن شکاری" اصل میں ایک ہوں۔

اقوام جرائم پیشہ کے اصل و نسب کے متعلق تاریخی معلومات

آریہ، سیتھین اور عرب وغیرہ نسلوں سے پہلے ہندوستان میں اس کے اصل اور قدیم باشندے آباد تھے۔ اور اب تک آباد ہیں۔ یہ قرین قیاس نہیں۔ کہ ہندوستان اور بالخصوص پنجاب سا زرخیز و شاداب علاقہ کبھی انسانوں کی آبادی سے محروم رہا ہو۔ اس ملک میں چونکہ خود بخود پکنے والے پھلوں اور میووں وغیرہ کی اس قدر بہتات تھی۔ اور ہے۔ کہ بغیر ہاتھ کی کمائی کے انسان اس سرزمین میں گزارہ کر سکیں اس لئے شروع میں جب انسانوں نے ابھی شکار اور زراعت وغیرہ کے فن نہیں سیکھے ہوں گے۔ ضرور ہے۔ کہ پنجاب کے سرسبز علاقوں میں ایسے

انسان بستے ہوں جن کی زیست کا دار و مدار محض پھلوں اور میووں پر ہو۔ اس سے زیادہ ترقی کے دور ہیں۔ ڈھوروں کو پالنے جانوروں کو شکار کرنے اور زمین کو کاشت کرنے پر اوقات بسر کرنے کا بھی یہاں کافی سامان موجود تھا گویا پنجاب میں ضرور قدیم الایام ہی میں ایسے انسان آباد ہونگے۔ جو پنجاب کے یا ہندوستان کے اصل باشندے کہلا سکیں کم از کم پنجاب میں ان کا وجود ہندو مذہب کی قدیم ترین مقدس کتابوں مثلاً رگوید وغیرہ سے ثابت ہے۔ مسٹر ننگ آنجہانی پہلے شخص تھے۔ جنہوں نے ثابت کیا۔ کہ آریہ قوم سب سے پہلے پنجاب ہی میں وارد ہوئی۔ اور یہیں اس کے اصل باشندوں سے اس کو واسطہ پڑا[1]۔

"پنجاب[2] کے بہت سی نیچ ذاتوں کے لوگ یہاں کی قدیم نسلوں کی اولاد ہیں۔ یہ زیادہ تر وہ لوگ ہیں۔ جنہیں اب چوہڑے۔ چمار۔ پہاڑی لوہار۔ منتم۔ بوریئے۔ اہیرے۔ کھوڑی۔ لبانے۔ سانسی نٹ۔ بازیگر۔ پکھیواڑے۔ ہارنی۔ گنڈھیلے۔ اور اوڈ وغیرہ کے مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے" آپ دیکھ سکتے ہیں۔ ان میں بیشتر انہیں قوموں کے نام ہیں۔ جو اب جرائم پیشہ کہلاتی ہیں۔

"یہ بہت[3] حد تک یقینی ہے۔ کہ ان لوگوں میں اکثر وہ ہیں جو یہاں کے اصلی قدیم باشندے ہیں۔ اور ان میں اکثر کے رسوم عقائد۔ اخلاق اور پرستش کے طریقے ایسے ہیں۔ جو انہیں سے مخصوص ہیں۔ اور کسی اور قوم اور نسل سے نہیں ملتے۔ شعبدہ بازی۔ جادوگری کے کھیل سب انہیں لوگوں سے

---

[1] ایپک انڈیا مصنفہ سی۔ وی وادیا۔

[2] تاریخ پنجاب مصنفہ محمد لطیف۔

[3] سر ڈنزل ابٹسن رپورٹ مردم شماری (۱۸۸۱ء)۔

متعلق ہیں"۔[1]

"۱۸۷۲ء کی مردم شماری میں ہندوستان کے اُن خالص قدیم باشندوں کی تعداد دو کروڑ سے زیادہ تھی۔ جس میں ۲۰ ۷ ۹ ۵ ۹ پنجاب کے تھے۔ ۱۸۸۱ء میں ان کی علیحدہ مردم شماری نہ کی گئی۔ اور ان کو نیچ ذات کے ہندوؤں میں شمار کر لیا گیا"۔

جنوبی ہند میں ان کی آبادی

شمال مغرب کی طرف سے آنے والی قومیں یکے بعد دیگرے ان لوگوں کو وسط ہند اور جنوبی ہند کے میدانوں کی طرف دھکیلتی چلی گئیں۔ یہاں تک کہ آج ان کی زیادہ آبادی وسطی اور جنوبی ہندوستان ہی میں پائی جاتی ہے۔ بہت ٹھوکریں کھانے کے بعد نئے علاقوں میں پہنچے تو معلوم ہوتا ہے آریہ وغیرہ مہذب قوموں کو دیکھ کر ان میں سے اکثر نے مستقل سکونتیں اختیار کر لیں۔ اور کھیتی باڑی کے کام کاج میں لگ گئے۔ یا ممکن ہے خود بخود پہلے ہی سے امن و سکون کی زندگی بسر کرنے لگ گئے ہوں۔ جہاں تک ہندو مذہب کی قدیم کتابوں اور پُرانے سیاحوں کے سفرناموں سے پتہ چلتا ہے۔ یہ لوگ آج سے چار پانچ ہزار برس پہلے کے ہندوستان میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن ان کی حکومت اور تہذیب و ترقی کے جو آثار جنوبی ہند میں ہیں۔ اُن کی تاریخ موجودہ تحقیقات کی رو سے کوئی اس قدر پُرانی نہیں۔ ان کے مندر چوتھی سے لے کر آٹھویں صدی عیسوی تک کے تعمیر شدہ ہیں۔

---

[1] تاریخ پنجاب از محمد لطیف۔

جنوبی ہندوستان کو جہاں یہ لوگ اس زمانے میں آباد تھے " ڈریوڈا "
کہتے تھے اور اس لئے یہ تمام قومیں " ڈریوڈین " کے مشترک نام سے
مشہور ہیں۔ ¶

" یہ حقیقت [1] شک وشبہ سے پاک ہے کہ " ڈریوڈا " واقعی ان کی زبان
میں جنوبی ہندوستان کو کہتے تھے اور یہ جزیرہ نمائے ہند کا قدیم نام ہے " ¶

یوپی اور مشرقی پنجاب میں ان کی آبادی

ہزاروں صدیوں کے سیاسی اور تمدنی انقلابوں نے ان اقوام
کو کہاں کہاں بکھرایا۔ اور ان کے اخلاق و رسوم میں کیا کیا تبدیلیاں
پیدا کیں ۔ اس پر احاطہ کرنا ہمارے زیر نظر مضمون کی
حدود سے خارج ہے ۔ البتہ جن صوبوں میں یہ لوگ اب
ملتے ہیں ۔ گورمنٹ کے محکمہ مردم شماری کی بدولت اُن
کی وہاں کی موجودہ حالتوں کا کچھ نہ کچھ علم ہم کو ہو سکتا ہے
سر ایچ رائزلی نے ۱۹۰۱ء میں جو تمام ہندوستان کی مردم شماری
کی رپورٹ تیار کی ۔ اُس میں بتلایا ۔ کہ ہندوستان بلحاظ نسلوں
کے سات حصوں پر منقسم ہے ۔ جنوبی ہندوستان میں
بحیثیت مجموعی " ڈریوڈن " لوگ آباد ہیں ۔ جن اقوام کی آبادی
یو۔پی ۔ مشرقی پنجاب اور مشرقی راجپوتانہ وغیرہ میں زیادہ
ہے ۔ وہ ایک مخلوط نسل کے لوگ ہیں ۔ جن کو " آرین
ڈریوڈین " کے نام سے پکارنا چاہیے ۔ اپنے اس خیال کی
تائید میں اُنہوں نے بحث کی ہے ۔ کہ یہ مخلوط نسل کس طرح
پیدا ہوئی ۔ ہندوستان میں آریہ قوم بوجہ اپنی رسوم " ذات "
کے نسلی اختلاط سے پاک رہی ہے ۔ ¶

[1] " تاریخ فنون لطیفہ ہندوستان " مصنفہ وی ۔ اے سمتھ (صفحہ ۲۷) ¶
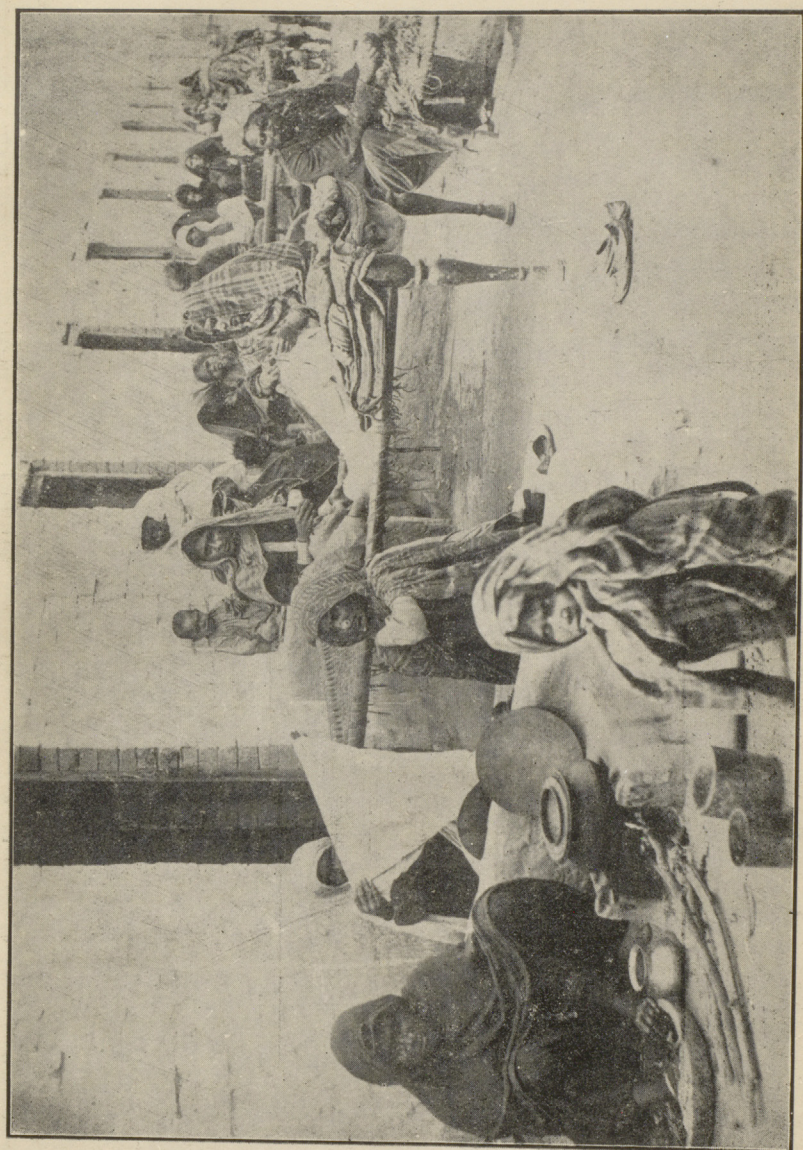
سرکاری سکونت گاہوں میں گھروں کی زندگی کا نقشہ

سر ایچ رائزلی کا خیال ہے۔ کہ مذکورہ بالا علاقوں میں جو لوگ آباد ہیں۔ اُن کے خط و خال۔ قد و قامت اور وضع و رنگ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ قوم آریوں اور ہندوستان کے قدیم باشندوں کے آپس میں شادیاں کرنے اور خلاملا کرنے سے پیدا ہوئی۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ ہندوستان پر آریوں کا ایک نہیں بلکہ دو حملے ہوئے۔ اور اس دوسرے حملے کے لوگ شمال کی طرف سے یو۔پی وغیرہ کے علاقوں میں وارد ہوئے۔ چونکہ ان کے ساتھ عورتیں مردوں سے بہت کم تھیں۔ اس لئے اُنہوں نے ہندوستان کے اصل باشندوں کے ساتھ شادی کے تعلقات قائم کر لئے۔

"یو۔پی میں جو نسلوں کا اختلاط ہوا۔ اس کی تشریح سوائے اس خیال کو مدّ نظر رکھنے کے جو ڈاکٹر ہورنل نے ظاہر کیا۔ اور جس کو سر ایچ رائزلی نے تسلیم کیا۔ اور کسی طرح نہیں ہو سکتی۔ اور وہ یہی ہے۔ کہ ہندوستان پر دوسری دفعہ ایک نئی قسم کی آریہ قوموں نے حملہ کیا۔ اور چونکہ ان کے ساتھ عورتوں کی تعداد بہت کم تھی۔ اس لئے اُنہوں نے ہندوستان کے اصلی باشندوں یعنی "ڈریویڈین" اقوام سے شادیاں کر لیں۔ اور مہابھارت سے ہمیں اس امر کی کافی شہادت ملتی ہے۔ کہ ان نئے آریوں نے مسیح سے تین ہزار دوسو سال قبل ہندوستان پر حملہ کیا"۔ ان لوگوں کی بڑی کثیر تعداد کوہستان ہمالہ کے دامن کے ساتھ ساتھ آباد ہے۔ ان کی سینکڑوں ذاتیں اور گوتیں ہیں۔ سب سے مشہور گاڈو۔ ناگا۔ ٹھارو۔ کچاری وغیرہ ہیں۔ جو ان میں وسط ہند یعنی وندھیا چل سست پڑا اور اراوتی کے علاقوں میں

ہیرو اینیک انڈیا مصنفہ سی۔ڈی۔ وادیا۔

بستے ہیں۔ کوہلی۔ بھیل۔ گونڈ کہلاتے ہیں۔ ان سے شمال اور مغرب کی طرف مینے ہیں۔ جو اب تک پنجاب کے جرائم پیشہ میں سب سے پہلے نمبر پر شمار ہوتے ہیں۔

جس طرح عربوں کی فتح ہسپانیہ کے بعد گاتھ قوم کے لوگ گلیشیا اور آسٹریا کے پہاڑوں میں جا گھسے تھے یا جس طرح انگلینڈ کو جب نارمنوں نے فتح کیا سیکسن قوم کے سرکشوں نے پہاڑوں میں جا پناہ لی تھی۔ یہی حال ہندوستان کے ان قدیم باشندوں کا ہوا۔ کچھ تو بے خانماں ہو کر جنگلوں کو چل دیئے۔ جو شہروں میں رہے۔ وہ رسوم "ذات" کے ماتحت اپنے اصل اخلاق و رسوم کھو کر نیچ اور کمین ہو گئے۔ بعض ہمالیہ کی پہاڑیوں میں جا گھسے۔ اور کھیتی باڑی کا کام شروع کر دیا۔

لفظِ قُلی کی تحقیق

ان اقوام میں سے شملہ کی پہاڑیوں میں ایک مشہور قوم کوہلی آباد ہے۔ خانماں بربادی نے مفلس بنا کر پہاڑی غاروں اور کھڈوں میں سر چھپانے پر مجبور کر دیا۔ انگریزوں کے آنے پر شملہ وغیرہ جیسے شہر پہاڑوں میں آباد ہوئے۔ تو ان لوگوں کو زراعت وغیرہ کے علاوہ مزدوری سے پیٹ پالنے کا موقع بھی مل گیا۔ جنرل برگس کا خیال ہے۔ کہ یہی "کوہلی" مزدور تھے۔ جن کو یورپینوں نے اُن کی قوم کے نام سے "قلی" کہنا

شروع کیا - اور اب تمام ریلوے سٹیشنوں کے یا دوسرے مزدوروں کو لوگ ”قلی“ کہتے ہیں - ممکن ہے یورپینوں سے پہلے ہی ہندوستان میں اس قسم کے لوگ بوجہ ادنےٰ ذات کے اپنی قوم کے نام سے پکارے جاتے ہوں - اور اب بھی ہندوستان میں کئی جگہ رسم ہے - کہ بعض لوگوں کو اُن کی ذات کے نام سے پکارا جاتا ہے +

”ڈریوڈین“ اقوام کے غیر ہندوستانی ہونے کے متعلق بعض کی رائے

”ڈریوڈین“ اقوام کے متعلق بعض کا خیال ہے - کہ آریہ اور ستھین قوموں کی طرح یہ لوگ بھی وسط ایشیا ہی سے آکر آباد ہوئے - جنرل برگس اور مسٹر ہارگس وغیرہ کی یہ رائے ہے - لیکن یہ خیال مؤرخوں اور محققوں کے نزدیک معتبر نہیں +

عہ تاریخ پنجاب (محمد لطیف)

ان اقوام کا قدیم تہذیب و تمدّن

فن زراعت کیونکر ایجاد ہُوا

پگڑی باندھنا کس نے سکھایا

یہی لوگ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے ہندوستان میں زراعت کا کام شروع کیا۔ "کہا جاتا ہے[1]۔ کہ پنجاب کے اصل باشندوں کو زراعت کا فن ڈاؤنیسس[2] نے سکھایا۔ زمین میں ہل چلانا۔ دو بیلوں کا ایک جُوئے میں جوڑنا۔ اور باقی زراعت کی ترکیبیں سب اسی نے سکھائیں۔ مختلف دیوتاؤں کی پرستش بھی اسی نے سکھائی۔ اور پگڑی کا سر پر باندھنا بھی اسی نے شروع کیا۔" ڈاؤنیسس قدیم باشندوں کا بڑا مشہور بادشاہ تھا۔ سکندر کے حملے سے پیشتر یہ لوگ زراعت کا فن سیکھ چکے تھے۔ اور اس وقت شمالی ہندوستان یعنی پنجاب وغیرہ میں ان کی حکومتیں قائم تھیں۔ یونانی مؤرخوں کا بیان ہے کہ جب سکندر "اسواکون" کے ملک میں داخل ہُوا تو اس کے دربار میں "ونیاسوں" کا ایک سفیر حاضر ہُوا۔ جس نے اسکو بتایا کہ ہمارے شہر کا بانی ڈاؤنیسس تھا اور اسی بادشاہ نے ہمارے شہر کا نام "ونیاسا" رکھا تھا۔

---

[1] تاریخ پنجاب از محمد لطیف)

[2] نام کا تلفظ یونانی اس لیئے ہے۔ کہ یونانی مؤرخوں کے ذریعہ ہم تک یہ نام پہنچے ہیں

مندر اور عمارتیں

علم آثارِ قدیمہ اور علم فنِ تعمیر وغیرہ کی موجودہ تحقیقات نے
یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچا دی ہے۔کہ ہندوستان میں مندروں کی
عمارتیں دو قسم کی ہیں۔ اور دونو دو مختلف قوموں کی تہذیب کا پتہ
دیتی ہیں۔ آریوں کے مندر زیادہ تر شمالی ہندوستان میں ملتے ہیں۔
جنوبی ہند کے مندر "ڈریوبڈین" اقوام کے تعمیر کردہ ہیں۔ موخر الذکر قوم
کے مندروں میں جو مورتیاں ہیں وہ ان کے اپنے دیوتاؤں کی ہیں۔
چونکہ مندروں کی تعمیر کا رواج ہندوستان میں بدھوں اور جینیوں
کے زمانۂ عروج میں ہُوا اور اس سے پیشتر برہمنوں کا پرانا مذہب تمام
ہندوستان کے قدیم و جدید باشندوں پر اپنا سکّہ بٹھا چکا تھا اس لئے
اگرچہ قدیم باشندوں کے دیوتا وہی تھے جو ان ہی سے مخصوص
تھے تاہم مذہبی اصطلاحات وغیرہ ان میں وہی رواج پا گئیں
جو غالب اور حکمران قوم کے مذہب کی تھیں۔ قدیم باشندے
شو اور وشنو کی پرستش کرتے تھے۔ ان کے مندروں میں
مورتیاں بھی انہی کی ملتی ہیں۔ تاہم کہیں کہیں بدھ وغیرہ
کی مورتی بھی دیکھنے میں آجاتی ہے۔ حکمرانوں کے مذہب کے
اثرات سے شوا اور وشنو کے طریق عبادت وغیرہ میں بھی
الفاظ و اصطلاحات اکثر وہی ملتے ہیں۔ جو وید اور دیگر ہندو
مذہبی کتب میں درج ہیں۔ علمی اور عقلی اعتبار سے جو
قوم غالب ہو۔ وہ مغلوب قوم کے عقائد۔ ان کی رسوم ان
کی زبان سب پر اپنا رنگ جما دیتی ہے۔ ہندوستان کے قدیم
باشندوں کے مذہب اور ان کے مندروں کا ذکر کرتے ہوئے
سر جیمس فرگوسن اپنی ایک مشہور و مستند کتاب[1]

[1] انڈین اینڈ ایسٹرن آرکیٹکچر (صفحہ ۳۲۴)

میں لکھتے ہیں:۔

" ان دونوں مذہبوں (شوا اور وشنو) نے بہت سی اصطلاحات آریہ اقوام کے فلسفیانہ مذاہب سے اختیار کر لیں۔ اور اب دونو مذہبوں کے لوگ ویدوں اور سنسکرت زبان کی دیگر مذہبی کتابوں کو مقدس جانتے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ آریہ قوم کی علمی اور عقلی برتری ان قدیم اقوام کے لوگوں پر اپنا سکہ جما کر رہی۔ تاہم اس سلسلہ میں اس اہم حقیقت کو ہم کبھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ کہ زبان سنسکرت کے بولنے والے آریہ لوگ ہندوستان میں کہیں باہر سے آئے تھے اور یہاں کے اصل باشندے نہ تھے۔ اس حقیقت کو بار بار الفاظ میں دہرانے کی ضرورت نہیں کہ ہندوستان میں جو چیزیں علمی اور عقلی اعتبار سے گراں پایہ اور قابلِ قدر ہیں یعنی وہ جو تحریر میں آچکی ہیں (دینی کتابیں) وہ سب آریہ اقوام کی ہندوستان کو دی ہوئی ہیں۔ لیکن تمام وہ جو عمارات کی شکل میں ہندوستان میں پیدا ہے یعنی وہ جس کا تعلق آرٹ (فنون لطیفہ) سے ہے اُسکے پیدا کرنے والے اَور اقوام کے لوگ تھے۔ اور وہ یا تو ہندستان کے قدیم باشندے تھے یا وہ لوگ جو ابتدائی زمانوں میں کہیں باہر سے ہندوستان میں منتقل ہوئے۔ لیکن ان کا تعلق آریوں یا آریوں کے آباو اجداد سے مطلق نہ تھا۔ بلکہ کسی اور قوم یا نسل سے متعلق تھے"

اگر ان قدیم باشندوں نے مذہب اور رسوم مذہب کے لحاظ سے قریباً وہی مذہب اختیار کر لیا ہو جو آریوں اور برہمنوں کا تھا۔ پھر بھی اس حقیقت میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ جنوبی ہند کے مندروں کو تعمیر کرنے

والے بھی لوگ تھے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ سنہ ۴۰۰ء سے لیکر سنہ ۸۰۰ء تک کے درمیانی عرصہ میں ڈریوڈین اقوام کی تین چار سلطنتیں جنوبی ہند میں قائم تھیں اور ان کی معاشرت اور تمدن اچھے خاصے پیمانے پر تھے۔ ایلورا کے مشہور مندر جو آج تمام دنیا میں صنعتِ عمارت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے اور جن کو دیکھنے کے لئے تمام دنیا کے بڑے بڑے سیاح ہندوستان کا سفر کرتے ہیں، انہیں اقوام کی تہذیب و ترقی کا ادنےٰ نمونہ ہیں۔ جن کو آج "نیچ" "اچھوت" اور "جرائم پیشہ" وغیرہ کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ "ڈریوڈا" قوم کے تمام مندروں میں اپنی صنعت کے اعتبار سے سب سے زیادہ حیرت انگیز اور عظیم الشان ایلورا کا وہ مشہور مندر ہے جسے کیلاش کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ جو ایک پہاڑی چٹان کو تراش کر تعمیر کیا گیا تھا۔ اور جس کو آٹھویں صدی عیسوی میں وہاں کے ایک "راشترا کوتا" خاندان کے بادشاہ نے تعمیر کرایا تھا"

ان تاریخی شہادتوں سے صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ جن اقوام کے اخلاق و عادات اور رسوم و رواج آج دنیا کی نگاہوں میں بدترین اور ذلیل ترین ہیں۔ زمانہ ہوگا اور ضرور تھا کہ دنیا انہیں بہترین و اعلےٰ ترین تصور کرتی تھی۔ جو قومیں آج معاشرت و تمدن انسانی کے ادنےٰ فوائد سے نہ صرف محروم بلکہ ان سے ناآشنا اور ان کی دشمن نظر آتی ہیں وہ معاشرت و تمدن کی بانی تھیں اور موجودہ ترقی یافتہ قوموں کو تہذیب و تمدن کی منزلوں کے لئے شاہراہیں تیار کرکے دینے والی تھیں۔

علہ۔ تاریخ فنون لطیفہ ہندوستان از وی۔ اے۔ سمتھ

یہ مبحث نہایت دلچسپ ہے کہ زمانے نے کن کن مراحل پرلے جاکر ان اقوام کو ان کی موجودہ ذلت کی حالت میں پھینکا۔ مگر افسوس کہ اس مختصر مضمون پر ایسی لمبی داستان کا چھیڑنا بے محل ہوگا۔

آغازِ عہدِ برطانیہ اور ہندوستان میں ٹھگی وغیرہ جرائم کا رواج

چونکہ پنجاب کی جرائم پیشہ اقوام میں بعض مثلاً سینے وغیرہ ایسی ہیں جو جرائم ٹھگی اور قتل میں مشہور رہی ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مجملاً اس موضوع پر کچھ روشنی ڈالی جائے اور بتایا جائے کہ ہندوستان میں ٹھگی اور دیگر جرائم نے ایک خاص زمانہ میں کیوں اتنا رواج پکڑا۔

ہندوستان ایک برّاعظم ہے۔ وہ نظام حکومت جو اس ملک کے باشندوں کے امن و آسائش اور تہذیب و تمدن کا کفیل ہوگا اُس کے لئے لازم ہے کہ اس کے قوانین اِس ملک کی تمام نسلوں۔ تمام قوموں اور تمام مذہبوں سے یکساں اور منصفانہ طرزِ سلوک پر مشتمل ہوں۔ اس قدر وسیع و عریض ملک میں قوانین کے عملدرآمد کے لئے خبرو پیام۔ آمد و رفت اور دیگر قسم کے وسائل و ذرائع ایسے اعلےٰ اور عمدہ ہوں کہ درنگ و توقف کے باعث حکومت کی قوّت اور اسکے وقار میں ضعف کے پیدا ہونے کا احتمال نہ رہے۔ جب تک ہندوستان جیسے ملک کی حکومت کی

عمارت ایسی مستحکم بنیادوں پر کھڑی نہ ہو اس کا قائم رہنا ازبس محال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ حکومت سے پہلے کی حکومتیں جنہیں کبھی تمام ہندوستان کو تحتِ تصرف لانا نصیب بھی ہُوا سوائے چند ایک معمولی مثالوں کے کسی لمبے عرصہ تک تمام ملک کو آسودگی اور ترقی کے سامان بہم نہ پہنچا سکیں۔ شہنشاہ اکبر کے زمانے میں ٹھگوں اور راہزنوں کو قرار واقعی سزائیں دی گئیں مگر تمام راہزنوں کو گرفتار کرنا اور ایسے جرائم کا انسداد کرنا اس زمانہ میں موجودہ زمانہ کی نسبت بہت مشکل تھا۔

کوئی انصاف پسند مورّخ اس سے انکار نہیں کریگا کہ مغلیہ سلطنت کے زوال کے زمانہ میں جب تک ابھی انگریزوں کا تصرف تمام ملک پر نہیں ہُوا تھا۔ ہندوستان کی معاشرت اور تمدن سخت خطرے میں تھے۔ خطرے میں کیا۔ معاشرت و تمدن کہیں پیدا نہ تھے۔ اس عہد کی طوائف الملوکی کی داستانیں سن کر بدن پر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ ملک سینکڑوں ریاستوں اور فوجداریوں میں تقسیم تھا۔ ہروقت باہمی جنگ و جدل تھی۔ کئی علاقے ایسے تھے جہاں سرے سے کوئی حکومت تھی ہی نہیں۔ حکمرانوں کو رعایا کی فکر تو کیا ہو سکتی تھی۔ اپنی حکومت کے قائم رکھنے کی فکر میں ہروقت فتنہ و فساد میں پھنسے رہتے۔ پھر سوائے دو چار کے ملک میں عام سڑکیں نہ تھیں کہ تجارت آسانی سے ہو سکتی۔ جو سڑکیں تھیں بھی وہ محفوظ نہ تھیں۔ باوجود ان باتوں کے ہزار قسم کے کاروبار کے لئے لوگوں کو ملک کے مختلف شہروں اور علاقوں میں سفر کی ضرورت پیش آتی تھی۔ مختلف صوبوں میں مختلف مذہب اور مختلف زبانیں ہونے کی وجہ سے

مسافر خود بھی دوسرے علاقوں کے لوگوں سے بہت کم میل جول اور رابطہ و تعلق پیدا کرتے تھے۔

ان حالات نے ہندوستان کے لوگوں میں وہ گروہ بھی انسانوں کے پیدا کردئے جنھوں نے مسافروں اور امن پسند مالداروں کو لوٹنا اپنا ذریعہ معاش قرار دے لیا۔ سوائے ٹھگی اور غارتگری کے ہندوستان میں اور کسی قسم کا طریقِ معاش ان کو اپنی طرف نہیں کھینچ سکتا تھا۔ قتل ٹھگی۔ غارتگری پیدا ہی اس زمانے میں ہوتے ہیں جب ملک میں کسی باقاعدہ حکومت کا اقتدار کم ہو جائے۔ اور مجرم قوانینِ ملک کے مطابق سزائیں نہ پائیں۔ امیر علی پنڈارے کے نام سے کون تعلیم یافتہ ہندوستانی آشنا نہ ہوگا۔ سات سو انیس انسانوں کے قتل میں یہ خدا کا بندہ شریک ہوا۔ ابھی پیٹ نہ بھرا۔ "مشق ناز" تکمیل کو نہ پہنچی۔ گرفتاری کے بعد یہ حسرت ظاہر کی کہ الٰہی میرے "شہیدوں" کی تعداد ایک ہزار تو کی ہوتی ؎

میخانۂ جگر میں یہاں خاک بھی نہیں
خمیازہ کھینچے ہے بتِ بیداد فن ہنوز

ٹھگی اور غارتگری ہندوستان کی موجودہ حکومت کے ابتدائی زمانہ میں اس باقاعدہ نظام کے ساتھ ہندوستان میں مروّج تھی کہ کوئی دیسی ریاست ڈر کے مارے ٹھگوں کے خلاف کسی قسم کی قانونی کاروائی نہیں کر سکتی تھی۔ بلکہ بعض بڑے بڑے رئیس ایسے تھے جن کے ظلِ عاطفت اور دامانِ عافیت میں بڑے نامور ٹھگ اپنے پیشہ کو "خوش اسلوبی" کے ساتھ ترقی دینے میں مصروف تھے۔ خود برطانی افسروں کو شروع میں یقین نہیں آتا تھا۔ کہ تمام ہندوستان کے

اندر کوئی اس قسم کا منظم سلسلہ ٹھگوں کا ہوگا جس کے ہر
صوبے میں مرکز ہوں اور جس کے اندرونی رازوں سے
کوئی شخص باآسانی واقفیت حاصل نہیں کر سکتا۔

کرنل سلیمن جیسا لائق اور ہوشیار افسر جس نے بعد
میں انسداد ٹھگی میں بڑی نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ ابتداً
میں ٹھگوں کے متعلق صحیح واقعات کو افسانوں سے زیادہ
وقعت نہیں دیتا تھا۔ لیکن جب اپنی آنکھوں اپنے کیمپ
کے نزدیک ایک ایک گڑھے میں دس دس مقتول دبے
ہوئے دیکھے تو پھر "ایمان" کی روشنی سے دل منور ہوا اور
ٹھگوں کے خلاف "جہاد" کی سوجھی۔ کرنل ٹیلر لکھتے ہیں[1]۔
"کتنی انسانی زندگیاں اس وقت تک تلف ہو چکی ہونگی
جب تک یہ پتہ نہ لگا تھا کہ ہندوستان میں بڑے وسیع
اور باقاعدہ نظام کے ماتحت ڈاکو اور لٹیرے لوگوں کی
جان و مال کے درپئے ہیں۔ ہزاروں کی تعداد ہوگی جن
کو بے رحموں نے خون کے گھاٹ اتارا ہوگا۔ اس تصور
ہی سے دل کانپ اٹھتا ہے۔ ان بد امنی کے ایام میں جب
مرہٹوں اور پنڈاروں کی انگریزوں سے ٹھنی ہوئی تھی۔
ٹھگ سفاک اپنے زوروں پر تھے۔ اور یہ ان کے عروج کا
زمانہ تھا۔ قتل و غارت کی یہ وحشیانہ رسم بہت عرصہ تک جاری
رہی۔ بالآخر سنہ ۱۸۳۱ء میں گورنمنٹ نے اس کے انسداد کی طرف پوری
توجہ کی۔ لارڈ ولیم بینٹنگ اور لارڈ آکلینڈ کے زمانہ میں ٹھگی کا پورا پورا
انسداد کیا گیا۔ اور چار ہزار سے زائد ٹھگوں اور قاتلوں کو پھانسی اور
عبور دریائے شور کی سزائیں دی گئیں۔ اچھے انتظامات کے بعد ملک
کے ذرائع آمد و رفت سے لوگ فائدہ اٹھانے کے قابل ہوئے۔ اور معاشرت

[1] "ایک ٹھگ کے اعترافات" مصنفہ کرنل ٹیلر

و تمدن نے اصلاح و ترقی کا مُنہ دیکھا۔

پنجاب کے جرائم پیشہ لوگوں کی زندگی پر اجمالی نظر

مُرورِ زمانہ نے اقوام جرائم پیشہ کے اخلاق و معاشرت میں جو حیرت انگیز خصوصیات پیدا کی ہیں ان کی تفصیل کے لئے دفتر درکار ہوگا۔ اس جگہ مختصر طور پر ان لوگوں کی روز مرہ کی زندگی کے چند حالات درج کئے جائینگے۔

دشت و صحرا کی زندگی نے ان کی طبیعتوں میں یہ عادت راسخ کردی ہے۔ کہ جو اشیائے خوردنی بغیر محنت و تکلیف کے ان کو مل جائیں ان پر گذارہ کریں۔ ہاتھ سے کمانا۔ بدنی مشقت کرنا۔ تجارت کے الجھیڑوں میں پڑنا ان کے رجحانِ فطرت کے اس قدر منافی ہے۔ کہ ایسے خیالات کو وساوسِ شیطانی سے تعبیر کرتے ہیں۔ میوے۔ اناج پکے ہوئے جنگل ہی میں ہمیشہ مل جاتے تو پھر تو دنیا بہشت تھی مگر اب جب کہ ہندوستان کے صحرا اور جنگل دیہات اور شہروں سے آباد ہو چکے ہیں۔ کوئی علاقے بیابان ہیں تو وہ یا تو چٹیل ریتلے میدان ہیں یا کوہستانی رقبے ہیں۔ ایسی صورت میں یہ ناز پروردہ طبیعتیں سوائے اس کے کہ بیگانے مال کو اپنا تصور کریں اور رات سے دن کا کام لیں۔ اور کیا کر سکتی ہیں۔ جب اناج کا ملنا دشوار ہوتا ہے تو پھر قدرتاً سوائے جنگلی جانوروں اور حیوانوں کے گوشت سے پیٹ کا دوزخ بھرنے کے اور کوئی چارہ نہیں رہتا۔ حلال۔ حرام۔ پاک پلید کی تمیز تو وہاں ہو جہاں حرام کم ہو اور حلال زیادہ۔ جہاں "پلید" سے بے نیازی اختیار کی جا سکتی ہو اور "پاک" پر زندگی کے دن کاٹے جا سکتے ہوں۔ جب حیوانوں میں حیوان اور درندوں میں درندے بن کر زیست کی گھڑیاں پوری کرنا ہوں تو پھر حضرتِ ذوق کے ذوق کا تتبع زندگی کا واحد نصب العین ہوگا اور وہ یہ کہ ؎
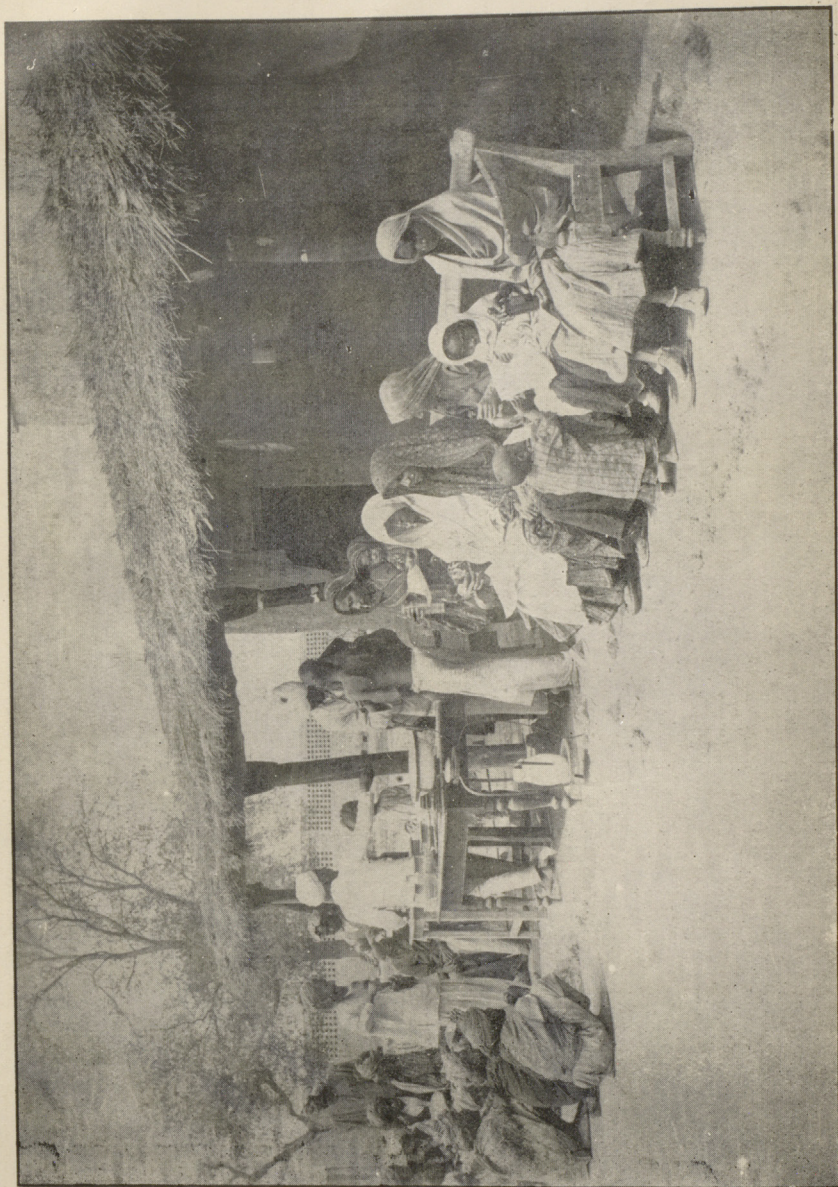
سکونت گاہوں کے ہسپتالوں میں مریضوں کا علاج
(ابتدا میں علاج و دوا ہر چیز سے اُن کو وحشت تھی)

مجھے آتا ہے رشک اُس رندِ مے آشام پر سلقی
نہ جو "دع ماکدر" جانے نہ جو "خذ ماصفا" سمجھے

ہرن - بھیڑ - بکری تو کئی اور قومیں اور مہذب قومیں بھی کھاتی ہیں - مگر ان جانوروں کا ہر روز میسّر آنا کیسے ممکن ہو سکتا ہے - خرگوش - لومڑ گیدڑ - جنگلی بلا - اس قسم کے جانور ہیں - جن کو شکاری کتوں سے یہ لوگ شکار کرتے ہیں اور دال روٹی سمجھ کے پیٹ بھر لیتے ہیں - یہاں تک تو خیر تھی - ان میں بعض ایسے ہیں جو کچھوے سانپ گوہ - خارپشت مینڈک سے بھی کام و دہن کی تواضع کرتے ہیں - اور ہمارے کباب و بریانی اور پلاؤ متنجن کو ایک نظرِ حقارت دیکھنا بھی گوارا نہیں کر سکتے - ان میں کچبند وغیرہ خود قدرت کی جانب سے بنی نوع انسان کے لئے "حکیم و جراح" مبعوث کئے گئے ہیں - کافی گاؤں جہاں گدائی کرتے ہیں - وہاں "جونکوں" سے سینکڑوں مریضوں کو "عملی جراحی" کی ضرورت سے بے نیاز کرتے جاتے ہیں - "جونکوں" کی اہمیت اب تو ہمارے مغربی ڈاکٹر بھی محسوس کرنے لگے ہیں - مگر ان لوگوں کو جونکیں صرف "نشتر" ہی کا کام نہیں دیتیں - جب پرانی ہو جائیں - "خون آشامی" کی قوت ان میں باقی نہ رہے تو پھر نہایت للچائی ہوئی نگاہ سے لقمہ کا لازمہ بنائی جاتی ہیں - اور "بلا تکلف" ہضم کر لی جاتی ہیں - یہ تو بلّوں گیدڑوں سانپوں اور جونکوں کی باتیں ہیں - وقت ان قوموں پر ایسے بھی آئے ہیں جب ملک میں چار سو قحط کی وبا پھیلی ہوئی ہے - متمدن و معاشرتی انسانوں کو دس دس دن کے فاقوں نے مرض الموت میں مبتلا کر دیا ہے - اور سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں فی الحقیقت "فاقہ شہید" ہو گئے ہیں - ایسے نازک وقتوں میں "حفاظت نفس" کے فلسفہ نے ان لوگوں

عہ سانسیوں کا ایک گروہ "بھیڑ کٹ" کہلاتا ہے - محض اس لئے کہ یہ لوگ عام طور پر بھیڑیں چراتے ہیں - اور انہیں کے گوشت پر گذارہ کرتے ہیں +

کو "نفوسِ انسانی" کو ہلاک کرکے ان کی "اشرف" بوٹیوں کو نوشِ جان کرنے سے باز نہیں رکھا۔ عہد برطانیہ سے پہلے قحط ایسے نہ تھے جیسے اس زمانہ کے۔ کچھ شک نہیں کہ آمد و رفت کے ذرائع غیر وسیع و غیر محفوظ ہونے کے باعث بالعموم قحط جب پڑتا تھا تو اس کے اثرات مقامی ہوتے تھے۔ مگر مقامی ہونے کا ایک نتیجہ یہ بھی تھا کہ بہت لمبے عرصے تک رہتے اور جانوں کی تباہی و بربادی بے حد و حساب ہوتی۔ قحط کا عرصہ جب اتنا لمبا ہوتا کہ متمدن انسان کئی سال درختوں کے سبز پتوں پر گذارہ کرنے پر مجبور ہوتے۔ کوئی وجہ نہیں کہ "مردم خور" مردم کئی سال "مردم خوری" پر ہی پیٹ نہ پالتے ہوں۔ یہی مردم خوری کی عادت ان کی طبیعتوں میں گڑ گئی ہوگی۔ جس کی وجہ سے گذشتہ زمانہ کے آریوں نے ان ہندوستان کے اصلی باشندوں کو "راکشس" (حیوان و درندہ) کہنا شروع کر دیا پنجاب کے دیہات کی اب تک یہ حالت ہے کہ جونہی کوئی "بھکیواس ڈیرا" گاؤں کے کسی بنجر یا چراگاہ میں آکر اترا۔ لوگ اپنے بچوں کو گھروں سے باہر نہیں نکلنے دیتے۔ خیر اب بچوں کے ہلاک کئے جانے کی وارداتیں تو کبھی سننے میں نہیں آتیں۔ مگر اتنا تو ہر وقت ان سے ممکن ہے کہ بچوں کو اٹھا کرلے جاتے ہیں۔ اور ان کے زیور وغیرہ اتار کر انہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح اپنی بھیڑ بکریوں کو لوگ حفاظت سے رکھتے ہیں۔ ان کے قابو بھیڑ بکری آئی نہیں اور انہوں نے کچی ہضم کی نہیں۔ بلا نازل ہو جاتی ہے جب ان بھیڈکٹوں یا کیکنوں کا کوئی ڈیرا کسی گاؤں میں نازل ہوتا ہے اور اس نازل ہونے کے ڈھنگ بھی کوئی ایک دو نہیں۔ یہ جتنے بازیگر۔ نٹ۔ سپیرے۔ آپ کو بظاہر بے خانمان کس مپرس اور مفلس و محتاج قریہ قریہ پھرتے نظر آتے ہیں یہ سب انہیں اقوام کی افواج کے مختلف دستے ہیں۔ جو ایک گاؤں کی "فتح" کے بعد دوسرے

کا جامہ محاصرہ "کرتے ہیں۔ دن کو تماشے دکھاتے ہیں۔ لوگوں کو اپنے کرتب دکھا کر اپنا گرویدہ کر لیتے ہیں۔ گاؤں کے مشترک فنڈ سے روپے لیتے ہیں۔ انعام پاتے ہیں۔ ساتھ ان کے بوڑھے بچے اور عورتیں بھیک مانگتے ہیں۔ جب اس طرح جتنا کمانا ہوتا ہے۔ کما چکتے ہیں۔ تو پھر گھر اور گلیاں تو تاڑ ہی چکے ہوتے ہیں۔ کوئی رات ایسی آتی ہے۔ کہ خود بھی غائب اور گاؤں کے کسی چوہدری یا ساہوکار کے گھر کا "اندوختہ" بھی ندارد۔ پولیس کے پہنچنے تک یہ دوسرے ضلع کی حدود میں داخل ہو چکے ہوتے ہیں۔ ضلع پر کیا موقوف۔ مال اگر "مال" ہو تو پھر صوبے کی سرحد سے بھی پار ہیں۔

چوری کرنے میں جو جیلے جو فن اور جو چالاکیاں یہ لوگ عمل میں لاتے ہیں وہ بھی غور کرنے اور ان کی دماغی قابلیتوں کی داد دینے کے لائق ہیں چار منزلے پانچ منزلے مکان پر "گوہ" کی کمند ڈال کر چڑھ جانا ان کی ان کھیلوں کا ادنے نمونہ ہے۔ چوتھی چوتھی پانچویں پانچویں چھت سے بے دھڑک کودنا اور بدن کا بال تک بیکا نہ ہونے دینا بائیں ہاتھ کا کرتب ہے۔ پھر جن عیاریوں سے جیلوں اور حوالاتوں کی دیواروں کو پھاندتے ہیں ان کا حال تو پولیس والوں ہی سے سننے کے قابل ہے۔ گورنمنٹ نے جن موجودہ سکونت گاہوں میں ان کو پابندِ مقام و معاش کیا ہے۔ وہاں کبھی تشریف لے جائیے اور تماشا دیکھئے کہ کوئی سی سالہ جوان سے لیکر بڈھے سانسی (یا بوڑئے یا مینے) تک ایسا ہے جو دو دفعہ سے کم جیل خانہ کا مہمان نہ رہ چکا ہو اور جس کے خود بیان کردہ سوانح حیات عجیب و غریب چوریوں ٹھگیوں اور چالاکیوں کی ایک طولانی داستان نہیں۔ عین چوری کے وقت جو نوجوان مقتول ہو یا کسی اور طرح ہلاک ہو وہ "شہید" سمجھا جاتا ہے۔ یہ ہمارا تراشا ہوا بہتان نہیں سیالکوٹ کے ضلع میں ایک گاؤں ہے ۔ وہاں جا کر ذرا "فتا شہید"

کی خانقاہ ملاحظہ فرمائیے۔ "فتا" ایک بہادر سانسی تھا۔ ایک نقب زنی میں شریک ہؤا۔ نقب کے باہر پہرے پر کھڑا تھا۔ جب گاؤں والوں کو اطلاع ہوگئی۔ لوگوں نے جھٹ سے ان یاروں کو نقب پر ہی آدبایا۔ فتا کا بھانجا یا بھینوئی بھی موجود تھا۔ اس نے لٹھ مارنا تھا کسی اور کے۔ غلطی سے فتا کو ماردی۔ چوٹ سر پر لگی اور کاری لگی۔ فتا ہلاک ہوگیا۔ اس دن سے اس کی قبر وہاں بنادی گئی۔ اب اسے "شہید" کہا جاتا ہے۔ اور اسکی قبر کی پرستش کی جاتی ہے۔

سرکاری سکونت گاہوں میں قیام کے باعث سانسیوں میں چوری کی عادت کچھ کم ہوگئی ورنہ آج سے بیس تیس برس پہلے جو اُدھم انہوں نے پنجاب کے دیہات میں مچا رکھا تھا خدا اس کا نمونہ نہ دکھائے۔ محنت کی اور شریفانہ زندگی سے ان کی فطرت کو اس قدر نفرت اور بُعد تھا کہ مزدور و پیشہ ور کو برادری سے خارج کر دیتے تھے۔ تمام دار و مدار "قسمت" پر تھا۔ اور وہ "قسمت" آسودہ حال جاٹوں اور "ساہوکاروں" کے اندوختہ مال و متاع پر مشتمل تھی اور اسی کے اجزا سے مرکبؔ۔ ان کی عام ضرب المثلوں میں جو انہیں سب سے زیادہ مرغوب و دلنشین تھی وہ ملاحظہ ہو:۔

بوٹی باجڑی ہوئی آک۔ اب بوئے سو تین طلاق

بوریؤں کی حالت بھی سانسیوں کی سی ہے۔ تمام زندگی جرائم کی زندگی ہے۔ فصلوں کے چوری کاٹنے سے لیکر بڑی بھاری ڈکیتیوں تک بوریئے تمام قسم کی چوریاں کرتے ہیں۔ عورتیں وارداتوں میں شریک ہوتی ہیں۔ عورتیں خاص طور پر میلوں میں جاتی ہیں۔ اور بچوں کے زیور اتارتی ہیں۔ بعض دفعہ امیر گھروں میں ملازم ہوجاتی ہیں۔ گھر کے اندرونی حالات سے باخبر ہونے کے بعد ملازمت چھوڑ دیتی ہیں اور اپنے مردوں کو

جاکر تمام حالات بتاتی ہیں وہ دفعتہً چوری یا ڈکیتی کرتے ہیں اور اس خادمہ
کے سابق آقا کا تمام مال اس کی تنخواہ کے بقایا میں وصول کر کے
چلتے ہوتے ہیں - پھکیو ارے لدو جانور یعنی بیل گھوڑے گدھے
وغیرہ ہر وقت اپنے پاس رکھتے ہیں - ان سے خود بھی باربرداری
کا کام لیتے ہیں - اور کرایہ یا اجرت پر لوگوں کا مال اسباب بھی
ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں - جب مال لے کے شہر سے
نکل پڑے پھر جہاں جی چاہا لے گئے - مالک اس گھڑی کو روتا رہ
گیا جب مال ان کے سپرد کیا تھا - بعض اوقات دیہات میں
اقامت بھی اختیار کر لیتے ہیں - باغبانی کرنے لگ جاتے ہیں - یا
اور ادنےٰ درجہ کی زراعت وغیرہ کے کام میں بظاہر مشغول ہو
جاتے ہیں - دن کو اسی شغل میں رہتے ہیں - رات ہوئی مسافروں
کے مال چھین لئے راہگیر تاجروں سے جو بن پڑا لوٹ لیا -

ان کے علاوہ بینے وغیرہ ہیں ان کے حالات سے آپ گذشتہ
باب میں روشناس ہو ہی چکے ہیں -

سانسیوں کے گھروں میں اب تک عمر رسیدہ عورتیں ان باتوں پر
فخر کرتی ہیں کہ ہمارے بیٹوں بھائیوں یا خاوندوں نے ایسی ایسی سنگین قیدیں
کاٹیں اور اس اس طرح سولی پر چڑھائے گئے - جتنی سخت اور سنگین سزا
کسی مجرم نے بھگتی ہو اسکی رشتہ دار عورتیں اسی قدر اپنے آپ کو دوسری عورتوں
پر ممتاز و فائق تصور کرتی ہیں - جرم ان کے ہاں عزت خیال کیا جاتا ہے - اور
برائی نیکی کے ہم معنی ہے - سانسیوں کے بچوں کی کھیلیں دیکھئے - بچے مٹی کے چھوٹے
چھوٹے گھر بناتے ہیں - پھر ان میں باری باری نقب لگاتے ہیں - اندر رکھی ہوئی چیزوں
کو اٹھانے اور باہر لانے میں لڑکے اپنی اپنی چستیاں چالاکیاں دکھاتے ہیں - اس کھیل کے
وقت ایک بڈھا گرگ باراں دیدہ پاس بیٹھا ہوتا ہے - جو لڑکا سب سے اچھی نقب
لگائے وہ اس کو انعام دیتا ہے - اور شاباش و آفرین کہتا ہے - تمام قبیلے میں
اسکی ہوشیاری اور قابلیت کا چرچا ہوتا ہے - یہ "ہمت افزائی" کے طریق ہیں +

حکومت پنجاب اور آغاز اصلاح اقوام جرائم پیشہ

ابتدائی کوششیں

اِنسداد ٹھگی کے بعد گورنمنٹ کی توجہ مختلف صوبوں کی اُن اقوام کی اصلاح کی طرف منعطف ہوئی جن کے افراد ٹھگی وغیرہ میں شریک پائے گئے تھے۔ تحقیقات سے پتہ لگایا گیا کہ ہندوستان کے کئی حصتوں میں ایسی خانہ بدوش قومیں موجود ہیں جنکو سوائے چوری۔غارت۔قتل کے اور ذریعہ ہی اپنی معاش کے پیدا کرنے کا نہیں اور چونکہ قدیم الایام سے ان قوموں کی قسمت یہی بن چکی ہے کہ حیوانوں اور درندوں میں شب و روز بسر کریں۔ اور بھوک کے وقت یا اُن کو شکار کریں یا اپنی نوع کے امن پسند و خوشحال افراد کو۔ اس لئے یہ بات آسان نہیں ہے کہ اُن کو ان کی پرانی عادتوں اور دیرینہ خصلتوں سے بآسانی روکا جا سکے۔ بمبئی ممالک متحدہ آگرہ و اودھ اور پنجاب میں جرائم پیشہ اقوام کی کثرت پائی گئی۔ گذشتہ اور موجودہ تاریخ سے ہم ثابت کر کے دکھا چکے ہیں۔ کہ زیادہ تر یہی علاقے ہیں جن میں ہندوستان کے یہ بدنصیب پُرانے اہل وطن زمانہ کی گردشوں کے ہاتھوں اپنی سکونت یا نقل و حرکت اختیار کرنے پر مجبور ہیں اور متذکرہ صدر تین صوبوں میں حکومت ہند نے ان اقوام کی اصلاح و خبرگیری کا کام شروع کیا۔

گورنمنٹ پنجاب نے ۱۸۵۶ء میں ایک گشتی چٹھی افسران متعلقہ کے نام شائع کی جس کی رُو سے مشہور جرائم پیشہ لوگ مثلاً سانسی۔ بوریئے۔ ہارنی پکھیوارے وغیرہ زیر نگرانی لائے گئے اور ان کی نقل و حرکت پر پابندیاں عائد کر کے ان کو سکون کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا گیا۔ ایک اور حکم کے ذریعہ ان پابندیوں کو ۱۸۶۵ء میں زیادہ وسیع اور زیادہ مؤثر کیا گیا اور تجربے

نے پہلے حکم میں جو کمیاں اور کوتاہیاں ظاہر کی تھیں اُن کو اس حکم کی بعض دفعات کی رُو سے دُور کیا گیا۔ لیکن نومبر ۱۸۶۷ء میں جوڈیشل کمشنر کا اول الذکر حکم جب چیف کورٹ کی نظر سے گذرا تو اس نے اِسے خلاف قانون قرار دیا۔ تاہم گیارہ سال کے عرصہ تک ان احکام کی تعمیل ہوتی رہی اور صوبے کے مختلف اضلاع میں سانسیوں وغیرہ کی اصلاح و تعلیم کا کام اچھے خاصے پیمانے پر شروع ہو گیا +

اصلاح کی تمام تجاویز میں سے سب سے پہلے جس پر عمل کیا گیا وہ یہ تھی کہ صرف مخصوص رقبوں کے اندر ان لوگوں کو چلنے پھرنے اور رہنے کی اجازت دی جائے قلعوں کی طرز کے کچّے کوٹ تعمیر کرا دیئے جائیں۔ جن کے اندر یہ لوگ اپنی سکونتیں اختیار کریں رات کے وقت جو شخص اِن کوٹوں سے غیر حاضر رہے۔ اس کے لئے معمولی سزا مقرر ہوئی۔ دن کے وقت مقررہ حدود سے باہر جانا ممنوع قرار دیا گیا۔ اصلاح کا کام سب سے پہلے ضلع سیالکوٹ میں شروع ہُوا سب سے پہلی قوم جس کی خبر گیری کی ضرورت پیش آئی وہ سانسی تھے اور ضلع سیالکوٹ کے سانسی۔ اس ضلع میں موضع ڈھیبنگر انوالہ۔ کوٹ آدھیاں ننگل۔ کوٹ موہن۔ منڈیانوالا۔ کوٹ گھوئینگے اور کوٹ جنڈو ساہی میں سب سے پہلے سانسیوں اور پھر اُن سے کچھ عرصہ کے بعد پکھیواروں کے لئے سرکاری مصارف پر کوٹ یعنی جرائم پیشہ لوگوں کی بستیاں تعمیر کی گئیں۔ موضع جنڈو ساہی اور کوٹ موکھل میں ۱۸۵۶ء ہی میں یہ بستیاں بن چکی تھیں۔ اور باقی دیہات میں آئندہ دس بارہ سال کے عرصہ میں تیار ہوئیں +

ان کوٹوں یا بستیوں میں ان لوگوں کو سکونت پر مجبور کرنے کے بعد گورنمنٹ کو اُن کے لئے وہ سامان بہم پہنچانے کی فکر دامنگیر ہوئی۔ جس کے ذریعہ ان لوگوں کے دن کام کاج میں بسر ہوں۔ محض نظربندی ایسی عادات کے لوگوں پر اُلٹا اثر کرتی۔ اور اس کے ساتھ پختہ سال یا بوڑھے چوروں اور رہزنوں کو امن پسند پیشوں کی ترغیب دینا۔ اور ان کو محنت کے کاموں میں مشغول کرنا از حد مشکل تھا۔ تمام امور کو سوچنے کے بعد سب سے اعلےٰ تجویز جس پر

عمل شروع ہُوا یہ تھی کہ ان لوگوں میں بعض کو جن کی طبیعتیں راغب ہوں کھیتی باڑی کے کام میں لگایا جائے - اور اس غرض کے لئے ان کو ان کی بستیوں کے نزدیک زمینیں دی گئیں - اور ان زمینوں میں ان لوگوں کے لئے زراعت کے سامان مہیا کئے گئے ۔ بستیوں میں سکونت اختیار کرنے سے پہلے سانسی لوگ زیادہ تر خانہ بدوش تھے - اقامت اختیار کرنا ان میں سے بعض کو بے حد مفید ہُوا - ۱۸۷۱ء کی ایک رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوٹوں اور بستیوں کے انتظام اور نقل و حرکت کی پابندیوں نے ان لوگوں کی عادات کو اسی زمانہ ہی میں کچھ نہ کچھ سُدھارنا شروع کر دیا تھا - تاہم ان دیہات میں خالی زمینیں بہت کم تھیں - اور اپنی ضرورت کے مطابق یہ لوگ زراعت سے فائدہ نہ اُٹھا سکے +

پہلے سرکاری احکام کو چونکہ چیف کورٹ نے خلافِ قانون قرار دے دیا تھا اس لئے ۱۸۷۱ء میں "ایکٹ اقوام جرائم پیشہ" پاس کیا گیا - اور ان اقوام کی اصلاح کا کام تمام صوبے میں باقاعدہ شروع کیا گیا ۱۸۷۲ء میں گورنمنٹ آف اِنڈیا سے منظوری طلب کی گئی - کہ نئے پاس شدہ قانون کا نفاذ سانسی پکھیوارہ گڑسنگ - ہارنی - بوڑیہ - کرنالی بلوچ وغیرہ اقوام پر کرنے کی اجازت دی جائے - گورنمنٹ آف انڈیا نے ان اقوام کے حالات کے متعلق مزید اطلاعات طلب کیں اور ۱۸۷۳ء میں ان سب پر ایک مفصل رپورٹ بہم پہنچائی گئی - جس میں بتایا گیا کہ اگرچہ ان میں دو تین قوموں کی اصلاح کا کام ۱۸۵۶ء ہی سے شروع ہے - تاہم صدیوں کے بگڑے مہینوں اور سالوں میں نہیں سنورتے بالعموم ان اقوام کی عادات و رسوم اور خصائل و اخلاق نہایت شدت سے مجرمانہ ہیں - چوری اور ڈکیتی ان کے لئے شریف ترین پیشہ ہے اور اس فن میں جو کمال یہ حاصل کر چکے ہیں اُسکو آسانی کے ساتھ ہاتھ سے دینے کے لئے تیار نہیں - آوارہ گردی اور خانہ بدوشی کی عادت ہی ان کی طبیعتوں پر اس قدر قبضہ کئے ہوئے ہے کہ اقامت و سکونت کو موت کے برابر سمجھتے ہیں چوری نہایت باقاعدہ طریق پر کرتے ہیں - اور اپنی روزی کے لئے اسکو ایک

خاص فن قرار دے کر اس کے لئے خاص قواعد اور خاص مذہبی رسوم قرار دے چکے ہیں۔ گرفتاری پر اپنا یا اپنے ڈیرے کا صحیح نام و نشان بتانا اُن کے نزدیک کبیرہ گناہ ہے۔ قوم کا نام چھپانے کی عادت نے سانسیوں کی کئی ایک فرضی ذاتیں جنکے نام سے گرفتار ہونے پر یہ اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں۔ پیدا کردی ہیں۔ اکثر حکام کا خیال ہے کہ کیکن۔ کنجر ہوڑا محض فرضی نام ہیں جو سانسی گرفتار ہونے کے وقت اختیار کر لیتے ہیں۔ گویا واردات وہاں کرتے ہیں جہاں اُن کی شناخت کے لئے دُور دُور سے بھی کوئی گواہ پیدا نہ ہوسکے۔ ان کے چور باہر دُور کے علاقوں ہی میں گرفتار ہوتے ہیں۔ سزائیں پاتے ہیں اور قید و بند کے زمانے بسر کرکے بلکہ اس کے بعد پھر چوری وغیرہ سے کچھ نہ کچھ کما کر گھر آتے ہیں گھر کے یا قوم کے لوگوں کو علم تک نہیں ہوتا کہ یہ کہیں گرفتار بھی ہوئے یا سزائیں بھگت کر آئے۔ غرض یہ کہ ایک کی سزا دوسرے کو کبھی عبرت یا تازیانے کا کام نہیں دے سکتی۔ اور اسلئے قید یا گرفتاری کی سزائیں ان کے اعمال کو درست کرنے کے لئے محض بے سود ہیں +

ایکٹ اقوام جرائم پیشہ (مجریہ ۱۸۷۱ء) کا نفاذ

پیشتر اس کے کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ اقوام جرائم پیشہ کی منظوری دیتی اس نے پنجاب گورنمنٹ سے ایک مفصل رپورٹ اس قسم کی طلب کی کہ جن اقوام کو ایکٹ کے ماتحت پابندِ سکونت و اقامت کرنا مطلوب ہے ان کے متعلق وہ تجاویز کونسی ہیں جن پر کاربند ہوکر یہ لوگ اپنی معاش دیانتدارانہ طریق پر پیدا کرسکیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ جب تک ان لوگوں کے لئے امن و سکون کے ساتھ روزی کمانے اور پیٹ پالنے کے ذریعے نہ سوچے جاتے اُسوقت تک ان کو پابندیوں میں جکڑنا ان پر ایک قسم

کی زیادتی تھی۔ جو تجویز اس تحقیق کے جواب میں گورنمنٹ آف انڈیا کے سامنے پیش کی گئی اور جس کو بالآخر اس نے منظور کر لیا وہ یہ تھی کہ اضلاع کے ڈپٹی کمشنران ان دیہات کے نمبرداروں کو جن میں جرائم پیشہ اقوام کے گروہ پائے جاتے ہیں تحریری اطلاع اس قسم کی بہم پہنچائینگے جس میں یہ بتایا گیا ہو۔ کہ اشخاص زیر نگرانی مرد۔ عورت۔ بوڑھے۔ بچے بغیر خاص اجازت کے فلاں فلاں حدود سے باہر نہیں جاسکتے۔ نمبرداروں کا فرض ہے کہ ان لوگوں کو ان حدود کی پوری واقفیت کرادیں۔ حدود مقرر کرتے وقت یہ خاص خیال رکھا جائے گا کہ ان لوگوں کی نقل و حرکت کا میدان اسقدر وسیع ضرور ہو کہ گرد و نواح کے دیہات میں جاکر آسانی سے اور آرام سے زراعت وغیرہ کے کاروبار میں محنت مزدوری کرکے اپنی روزی کما سکیں۔" گورنمنٹ آف اِنڈیا نے یہ منظوری دیتے وقت یہ ہدایت خاص طور پر لوکل گورنمنٹ کو کردی۔ کہ ان اقوام کے جو لوگ دیانتدارانہ معاش کے حاصل کرنے میں اپنے اوقات بسر کریں ان پر نگرانی کی جو پابندیاں ازروئے ایکٹ عائد کی جائیں اس کے یہ معنی ہیں کہ ان کی جائز و مناسب آزادی میں کسی قسم کا فرق نہ آئے۔ گویا ان تمام امور کو مدِ نظر رکھ کر منظوری دی گئی جو ایک مہربان اور بہی خواہِ رعایا حکومت کو ایسی اِصلاح جرائم کے وقت پیش نظر رکھنے چاہئیں حکومت پنجاب نے ان ہدایات کے جواب میں جو کچھ لکھا وہ مختصراً یہ ہے کہ جہاں تک ان لوگوں کی معاش کا سوال ہے ان پابندیوں میں جو لوگوں پر ازروئے قانون عائد کی جائینگی کوئی بات ایسی نہیں ہے جو ان کو آزادانہ و دیانتدارانہ روزی کمانے میں رُکاوٹ پیش کرے اور پھر اسبات کو مدِنظر رکھتے ہوئے کہ حکومت کے پاس زراعت ریلوے نہروں اور پبلک ورکس کے متعلق اتنے کام ہیں کہ اگر یہ لوگ تھوڑی محنت بھی گوارا کرینگے اور مزدوری کرنے کی عادت اختیار کرینگے تو ان کو روزی کمانے اور خوشحالی کی زندگی بسر کرنے کے بے شمار موقعے مل سکتے
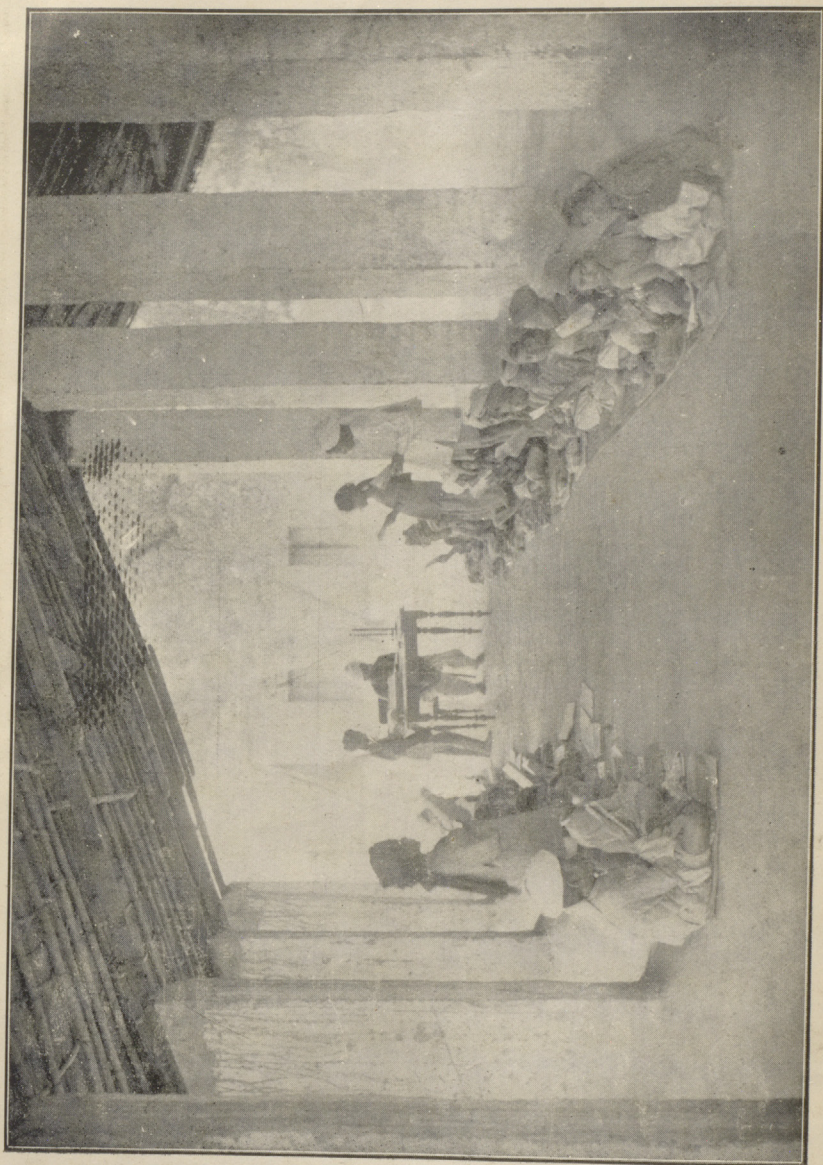
سکونت گاہوں میں لڑکوں کیلئے مدرسے

ہیں اور پھر جب گورنمنٹ خود ان کی نگرانِ حال ہوگی تو کوئی وجہ نہیں
کہ گورنمنٹ کے کاموں میں ان لوگوں کو باسانی سے محنت کر کے پیٹ پالنے
کا موقع نصیب نہ ہو۔ سرکاری افسران کے متعلق حسب ہدایاتِ
گورنمنٹ خاص خیال رکھیں گے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ ان لوگوں کی اصلاح کے
لئے ان سے بہتر کوئی اور تجاویز ہو سکتی ہیں جو شخص یہ کہے کہ ان کو
خاص انعامات اور وظائف دیکر امن و سکون کی زندگی پر آمادہ کیوں نہ
کیا گیا تو اسے اِنسانی فطرت اور اقتصاد و تمدن کے اصولوں کو مطالعہ کرنا
ہوگا ایک اچھی گورنمنٹ کا قحط کے زمانے میں مصیبت زدہ لوگوں کے
لئے جو انتظامات بہم پہنچانے کا فرض ہے وہ صرف یہ ہے کہ اُن کو اس
قسم کی مزدوری اور محنت کے موقعے دئے جائیں جن سے وہ اپنی روزی
بھی کما سکیں اور ان کی محنت و مشقت کرنے کی عادت بھی قائم رہے
جو حکومت مُفت روپے تقسیم کرنا شروع کرے گی اس کی رعایا کام کاج
چھوڑ کر صرف حکومت پر اپنی روزی کا دارو مدار رکھے گی نتیجہ یہ ہوگا کہ
بالآخر خود حکومت محتاج و مفلس ہو کر بیٹھ جائے گی۔ یہ حال تو قحط زدہ
لوگوں کا ہے۔ جرائم پیشہ اقوام کو درست کرنے کے لئے اِس سے کہیں بڑھ
چڑھ کر دِقتیں پیش آتی ہیں آگے چل کر یہ بتایا جائے گا کہ حکومت نے
ابتک ان لوگوں یا ان کے بچوں کو تعلیم دینے کا کیا انتظام کیا ۔ اور
ان کو صنعت و حرفت سکھانے میں کون کونسی تدابیر اختیار کیں

ایکٹ مذکورہ کا سب سے پہلا تجربہ جس قوم پر کیا گیا وہ سانسی تھے اور
جرائم پیشہ اقوام میں سانسی ہی سب سے زیادہ خطرناک ہیں اس تجربہ
کے متعلق ۱۸۷۴ء میں جو رپورٹ پنجاب گورنمنٹ نے گورنمنٹ آف انڈیا کو بھیجی
اس میں لکھا کہ ایکٹ کی دفعات کا نفاذ نہایت عمدگی سے عمل میں لایا
گیا ہے اور اس سے بہت اچھے نتائج مترتب ہو رہے ہیں سب سے بڑی بات
یہ کہ زیر ایکٹ اشخاص کو اپنی معاش پیدا کرنے میں کوئی خاص دقتیں کہیں
پیش نہیں آئیں۔

لوکل افسران کو مختلف اقوام کے ساتھ مختلف قسم کا طرزِ
سلوک اختیار کرنا پڑا۔ مثلاً گرد گاوس کے بہتیے نہایت مشکل سے راہ
راست پر آئے ان کی نگرانی ۱۸۵۶ء ہی سے شروع تھی بلکہ اس
سے بھی قبل۔ لیکن ان میں اصلاح کا زمانہ ۱۸۸۲ء کے قریب شروع ہوا اور
اب بتدریج یہ لوگ اپنی عادتیں اور خصلتیں بدل رہے ہیں اصل بات
یہ ہے کہ قانون خواہ کسی قسم کا ہو ان اقوام کی اصلاح کا کام خوبی کے
ساتھ جب ہی سرانجام پا سکتا ہے اگر افسرانِ متعلقہ پرلے درجہ کی انسانی
ہمدردی سے کام لیں اور ہر وقت ایسی تجاویز سوچتے اور ان پر عمل کرتے
رہیں جن سے ان لوگوں کے اخلاق میں تبدیلی پیدا ہو۔ اس قسم کے
ہمدردانہ طرزِ سلوک کی جو مثالیں ہمیں سرکاری رپورٹوں میں ملتی ہیں
ان سے معلوم ہوتا ہے کہ محض ذاتی توجہ اور حسن اخلاق نے ان قوموں
کو سدھارنے میں جو کام دیا ہے وہ عام قانونی پابندیاں نہیں دیسکیں۔
اور خدا کا شکر ہے کہ افسرانِ حکومت میں سے بعض کے دلوں میں اُن
باتوں کا خاص احساس موجود رہا ہے۔ اور اب تک ہے۔ شاہجہان پور کی
بینا قوم بہت درشت اکھڑ اور ناقابل اصلاح تھی مگر ۱۸۸۲ء میں
وہاں کے ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس مسٹر کرسٹی نے ان کو اس عقلمندی
اور ہمدردی سے سیدھے راستے پر لانا شروع کیا کہ بہت تھوڑے
عرصہ میں ان کے کیٹروں کی تعداد ہزاروں سے سینکڑوں تک اتر آئی ؛
پنجاب گورنمنٹ کئی سال تک تعزیری پولیس اور دیگر قواعد ایکٹ
کے ماتحت اِن اقوام کی اصلاح میں دلچسپی لیتی رہی۔ تاہم سوائے اس
کے کہ ان لوگوں کی تمام نقل و حرکت محدود ہو کر رہ گئے بعض افراد میں تھوڑی سی
بہت کام کرنے کی عادت پڑی ہو۔ اقوام کا بیشتر حصہ وار دات سے
باز نہ آیا بلکہ بعض علاقوں میں اس قسم کا تلخ تجربہ بھی ہوا کہ اصلاح کی
بجائے جو لوگ بد معاش تھے وہ پابندیوں کو توڑنے اور قانون کی خلاف ورزی
میں زیادہ دلیر ہو گئے۔ ۱۹۱۱ء میں گورنمنٹ نے ایک اور قانون پاس کیا اور

ان اقوام کی اصلاح اور تعلیم کے لئے زیادہ موثر اور عملی تجاویز
اختیار کرنے کا تہیہ کیا ۔

سنہ ۱۹۱۳ء کی سرکاری کمیٹی اور اسکی رپورٹ

سرمائیکل اوڈوائر سابق لفٹننٹ گورنر پنجاب نے خاص توجہ ان اقوام
کی خستہ حالی کی طرف کی اور سنہ ۱۹۱۳ء میں دو افسران یعنی پنڈت ہری کشن
صاحب کول سی - آئی - ای اور مسٹر ایل ایل ٹامکنس صاحب (انڈین
پولیس) کی ایک کمیٹی ان اقوام کے تمام حالات کی تحقیقات اور ان کی
اصلاح کے لئے عملی تجاویز پیش کرنے کی غرض سے مقرر کی ۔ کمیٹی کے دونو
ممبروں نے نہایت محنت اور جانفشانی سے اس مشکل کام کو سرانجام دینے
کا بیڑا اُٹھایا اور انصاف یہ ہے ۔ کہ ان کی رپورٹ جس تحقیقات اور
جن جن تجاویز پر حاوی ہے وہ دونوں افسروں کی اعلےٰ قابلیت ۔ دیرینہ
اور پختہ تجربہ کاری اور پرلے درجہ کی فراست وتدبر کا پتہ دیتی ہے
گورنمنٹ کے مختلف محکموں پر بہت کم رپورٹیں اس قسم کی ہونگی جو
ایسی جامعیت اور تحقیقات پر مشتمل ہوں ۱۳ اکتوبر سنہ ۱۹۱۳ء کو اس کمیٹی نے
اپنی تحقیقات کو آغاز کیا ۔ اور ان اقوام کے متعلق نہایت پیچیدہ سے
پیچیدہ مشکلات کو حل کرنے کے لئے مختلف اقسام کی معلومات بہم پہنچائیں
اور اس غرض کے لئے کئی قسموں کے سفروں کی زحمتیں گوارا کیں ۔

اِس رپورٹ کا ریویو ہمارے مضمون کو بہت طویل کردے گا جو
صاحب اقوام جرائم پیشہ کے متعلق واقعی مفصل واقفیت حاصل کرنا
چاہیں ان کو اصل رپورٹ کی طرف رجوع کرنا چاہئے ۔ ہم اس مقام
پر مختصر الفاظ میں اس کمیٹی کی تحقیقات کے بعض اہم نتائج اور اس
کی پیش کردہ بعض تجاویز کے ذکر پر اکتفا کرینگے ۔

کمیٹی مذکور نے ان امور کو پورے غور وخوض کے بعد تسلیم کیا کہ اقوام زیر ایکٹ کو اس قدر زیادہ قانونی پابندیوں میں نہیں جکڑنا چاہیئے جس قدر کہ اُن کے لئے کسبِ معاش کے ذریعے بہم پہنچانے اور اُن سے ذاتی (ہمدردانہ) سلوک اور نگرانی کی ضرورت ہے اسکے بعد ایکٹ اقوام جرائم پیشہ کو جن اصول کی بنا پر نافذ کرنا چاہیئے۔ وہ مختصراً ان الفاظ میں پیش کئے :-

(۱) اقوام جرائم پیشہ کے بدترین گروہوں کی نہایت منتظم طریق پر نگرانی ہونی چاہیئے۔ بشرطیکہ یہ نگرانی ہمدردانہ انداز سلوک اور کریمانہ اخلاق پر مبنی ہو۔ اور اگر ممکن ہو تو نگرانی کا کام عام سوشل اور اصلاحی پرائیویٹ انجمنوں کے سپرد کر دیا جائے۔ جن علاقوں میں ان کی نقل وحرکت محدود کی جائے ان کے اندر روزی کمانے کے کافی ذرائع اور وسائل موجود ہونے چاہئیں *

(۲) کھلے الفاظ میں خاص قواعد اس قسم کے وضع کرنے چاہئیں جن کے ماتحت ان اقوام کے وہ افراد جو کچھ عرصہ کے بعد اپنی نیک چلنی اور ترکِ جرائم کا ثبوت دیدیں ان کو قانونی پابندیوں سے مطلق آزاد کر دیا جایا کرے۔ تاکہ آہستہ آہستہ تمام قوم قانون کے شکنجہ سے آزاد ہو جائے۔ اور ہر نیک چلنوں کو سہولتیں بہم پہنچا کر اُنہیں آزادی دی جائے اور اِدھر جو اشخاص باوجود اس طرزِ سلوک کے جرائم سے باز نہ آئیں ان پر قانون کی تمام حدود وسختی کے ساتھ عاید کی جائیں۔ نہ ہی نری نرمی اور نہ نری سختی۔ بلکہ نرمی اور سختی کا ایک ہی موقعہ پر عمل میں لانا اصلاح وتبدیلی کے کام کو جتنا آسان کرے گا اس قدر اور کوئی تجویز مفید نہ ہوگی۔ یہ طرزِ عمل بعض حالات میں اس سے قبل مفید ثابت ہو بھی چکا تھا *

(۳) ان اقوام کے بچّوں کی تعلیم کے سامان بہم پہنچائے جائیں تاکہ بچپن ہی سے ان معصوموں کو ان کے باپ دادوں کی گناہ وجرم کی داستانوں

اور ان کی ترغیب سے پاک رکھ کر ان کو اور قسم کے خیالات اور پیشوں کی طرف راغب کیا جا سکے۔ ان اقوام کی اصلاح اپنی تکمیل کو صرف ان کے بچّوں اور نئی نسلوں کی تعلیم ہی سے پہنچ سکتی ہے۔ ان کا مستقبل تمام تر ان کے موجودہ بچّوں کی تربیت پر موقوف ہے۔ اور اگر ابھی سے ان کو ان بداخلاقیوں سے جو اُنکے ماں باپ میں پائی جاتی ہیں دُور رکھ دیا جائے اور ان اخلاق کیطرف راغب کیا جائے جو امن پسند اور معتدل روش کے انسانوں کے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ آدم زاد آگے چل کر نیک چلنی کے اصولوں پر اپنی زندگیاں نہ بسر کریں۔ ان لوگوں سے ان کے بچّوں کو جُدا کرنے کی تجاویز کئی بار پیش کی گئیں۔ مگر ۱۸۹۷ء سے پہلے کے قانون کے مطابق گورنمنٹ ایسا کرنے سے معذور تھی۔ ۱۸۹۷ء میں قانون ترمیم کیا گیا اور پھر اس قسم کی اصلاح آسان ہوگئی۔ لیکن پنجاب میں اب تک اس ترمیم کا کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا گیا جس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ اس کام کے لئے جس قدر مصارف کی ضرورت ہے حکومت اُن کی متحمل نہیں ہوسکی۔ بچّوں کی تعلیم سے جرائم پیشہ اقوام کی جو اصلاح ہوسکتی ہے اُس کی ادنےٰ مثال شاہجہانپور کے بینوں سے ملتی ہے جہاں تحقیقات سے معلوم ہُوا ہے کہ مشہور لٹیروں اور رہزنوں کے بچّے تعلیم حاصل کرکے بڑے بڑے اچھے پیشوں میں زندگیاں بسر کرنے لگ گئے ہیں +

ان اصولوں اور تجاویز کو پڑھ کر کون شخص ہے کہ انکے مجوّزوں کے تدبّر اور انسانی ہمدردی کی داد نہ دے۔ اور واقعی اگر ہمیں اپنی نوع کی صحیح اصلاح مطلوب ہے تو سوائے اس کے کہ ایسی تدابیر اختیار کریں اور کچھ نہیں کرسکتے۔ اِن تدابیر اور تجاویز پر گورنمنٹ پنجاب نے اب تک کیا عمل کیا ہے آیندہ تحریر سے خود بخود واضح ہو جائے گا +

عملی تجاویز

ان اصولوں کی بنا پر جن عملی تجاویز کے لئے کمیٹی نے سفارش کی وہ یہ تھیں کہ صوبہ کے مختلف اضلاع میں ان اقوام کو پابندِ اوقات و معاش کرنے کے لئے خاص انتظامات کے ماتحت سرکاری سکونت گاہیں بنائی جائیں یہ سکونت گاہیں تین قسم کی ہوں (۱) اصلاحی (۲) صنعتی (۳) اور زراعتی۔ جس سکونت گاہ کے لائق کسی شخص کو سمجھا جائے اسے وہاں رہنے اور کام کاج اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اِن سکونت گاہوں کے لئے جو مشترک قواعد کمیٹی نے وضع کئے وہ یہ تھے :-

(۱) ہر سکونت گاہ ایک سرکاری یا غیر سرکاری افسر کے ماتحت ہو جو کامیابی کے ساتھ انتظام کرنے کے لائق ہو۔

(۲) سکونت گاہوں میں جو مرد داخل کئے جائیں اُن کی بیویاں اور باقی کنبہ بالعموم اُن کے ہمراہ رہے۔

(۳) ہر بالغ مرد کو سکونت گاہ کے اندر خود محنت کرنے اور روزی پیدا کرنے پر مجبور کیا جائے اور عورتوں کو بھی مزدوری وغیرہ کا موقع دیا جائے۔

(۴) لڑکوں کو عام نوشت و خواند کی اور صنعتی تعلیم دی جائے۔

(۵) تندرست آدمیوں کے لئے ایسے وسائل پیدا کئے جائیں کہ وہ محنت و مزدوری میں مصروف رہیں اور ان کو اُجرتیں کم از کم اتنی دی جائیں جن سے وہ پیٹ پال سکیں۔

کمیٹی نے اپنی مفصل رپورٹ میں وہ تمام تجاویز بھی پیش کیں جن کے مطابق ان سکونت گاہوں کو آباد کرنا مطلوب تھا ایسے لوگوں کو ان میں قطعاً داخل کرنا منظور نہ تھا۔ جو اگرچہ ہوں تو جرائم پیشہ اقوام سے مگر امن و امان کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرتے ہوں اور اچھے طریقوں

سے روٹی کمانے ہوں - بلکہ یہاں صرف ان لوگوں کا آباد کرنا ہی فوری تھا جو اپنے دیہات میں اپنی روزی نہیں کما سکتے اور اس لئے جرم کے ارتکاب پر مجبور ہیں پھر یہ بھی تجویز کیا گیا کہ جیلوں کے عادی مجرم جو قید خانوں سے نکلتے ہی پھر چوری وغیرہ میں لگ جاتے ہیں ان کو ان سکونت گاہوں میں زیر نگرانی رکھا جائے ؂

اصلاحی سکونت گاہ

اصلاحی سکونت گاہ کے متعلق نہایت عمدہ تجویز پیش کی گئی کہ اُسے صوبے کے کسی وسطی شہر میں قائم کیا جائے مختلف جرائم کے لوگ جب اس میں داخل کئے جائیں تو کچھ عرصہ اسجگہ ان کو رکھ کر دیکھا جائے کہ وہ بلحاظ عادات و اخلاق اور طبیعتوں کے کن کن مختلف کاموں میں لگ سکتے ہیں - اس سکونت گاہ میں بطور امتحان ان سے کام لیا جائے اور بعد ازاں چھانٹ چھانٹ کر صنعتی اور زراعتی سکونت گاہوں میں بھیجدئے جائیں - قلعہ نجیب آباد علاقہ یو - پی - میں وہاں کی گورنمنٹ اسی قسم کی سکونت گاہ کا تجربہ کر چکی تھی - اس لئے کمیٹی نے پنجاب میں اسکے قیام کی تجویز پیش کی - امرتسر کا مقام اس کے لئے تجویز کیا گیا وہاں کی جیل کی عمارتیں خالی ہونے والی تھیں اور اس سکونت گاہ کو بھی اسی قسم کی عمارت کی ضرورت تھی گورنمنٹ نے اس تجویز کو منظور کیا اور اب ۱۹۱۷ء سے لے کر امرت سر میں اصلاحی سکونت گاہ قائم ہے جس میں ہزاروں کی تعداد میں جرائم پیشہ اقوام کے افراد امن و امان کی زندگیاں بسر کرنیکے طریق سکھائے جا رہے ہیں اور اچھے طرزِ عمل کے عادی بن رہے ہیں ؂

صنعتی سکونت گاہوں کے متعلق بھی بڑی مفید اور عملی تجاویز پیش کی گئیں چنانچہ ان میں بھی نہایت اچھا کام ہو رہا ہے - اور ان لوگوں کو تمام وہ پیشے سکھائے جا رہے ہیں - جن کی دیہات وغیرہ میں ضرورت رہتی ہے اور ان لوگوں میں جو ابھی چھ سات سال ہوئے جرائم پیشہ تھے - آج سینکڑوں میں

جو بڑھئی۔ درزی جولاہا وغیرہ کا کام سیکھ کر سوسائٹی کے کار آمد ممبر بن رہے ہیں ؎

زراعتی ۔سکونت گاہوں والے افراد کیلئے اپر چناب۔ لوئر باری دواب و اضلاع سیالکوٹ و کرنال میں زمین دیگئی اور ابھی ان کو زمین دئے جانے کا معاملہ گورنمنٹ کے زیر غور ہے۔ ان تجاویز اور انتظامات کو وجود میں آئے ابھی کوئی بہت مدّت نہیں گذری مگر جو نتائج اسوقت تک اُن سے برآمد ہوئے ہیں۔ وہ اس قابل ہیں کہ ان سے ان تمام اقوام کے نیک چلن اور امن پسند ہو جانے کی قوی اُمید کی جا سکتی ہے ؎

سنہ ۱۹۲۳ء تک کی کارروائی

سنہ ۱۹۲۳ء کے اخیر تک جو ترقی اس انتظام کو ہو چکی ہے وہ بہت امید افزا ہے۔ سنہ ۱۹۱۷ء میں ان افراد کی تعداد جو ایکٹ کے ماتحت زیر نگرانی رکھے گئے تھے۔ ڈیڑھ لاکھ تھی۔ اور ترپن ہزار مردوں میں صرف ۱۱۱۲۶ ایسے تھے جو اس وقت رجسٹرڈ تھے۔ اور ان میں بھی صرف ۳۰۰۰ تین ہزار ایسے جن کو سکونت گاہوں میں زیر نگرانی رکھنے کی ضرورت تھی۔ سکونت گاہوں کے قائم ہونے کے بعد یعنی سنہ ۱۹۱۷ء سے لے کر سنہ ۱۹۲۳ء تک جن لوگوں کو ایکٹ سنہ ۱۹۱۱ء کی قیود سے آزاد کر دیا گیا ہے۔ ان کی تعداد ۲۲۷۴۱ ہے ظاہر ہے کہ یہ اصلاح کوئی معمولی اور برائے نام اصلاح نہیں اوسطاً قریباً اڑھائی لاکھ روپیہ سالانہ گورنمنٹ کا اس کام پر خرچ آتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس نیک کام کے لئے اڑھائی لاکھ چھوڑ اڑھائی کروڑ بھی خرچ ہو جائے تو نہایت معمولی بات ہے آج اڑھائی لاکھ خرچ آتا ہے ابھی کل تک کئی اڑھائی لاکھ یہ لوگ لٹیروں راہزنوں چوروں ٹھگوں اور قاتلوں کی شکل میں لوگوں سے لوٹتے تھے۔ اور جانوں کا جو نقصان کرتے تھے وہ اس کے علاوہ تھا۔ اب اصلاح و تعلیم پانے اور کام کاج سیکھنے کے بعد یہی لٹیرے کچھ دنوں تک خود اپنے ہاتھوں کما کر سوسائٹی کے مال و دولت میں اتنا اضافہ کریں گے۔ کہ ڈھائی لاکھ کا موجودہ خرچ اس کے مقابلے میں ذرہ بھر حقیقت نہ رکھیگا۔ ہمارے بھائی ہماری نوع کے افراد ہماری غفلتوں یا ہمارے ظلموں کی بدولت یا اپنی بد قسمتی اور اپنی بدچلنی کے طفیل انسانوں سے حیوان بن چکے تھے۔ بلکہ ہماری جان و مال کے دشمن تھے آج اگر ہمارے تھوڑے سے خرچ سے پھر انسان بن جائیں۔ ہمارے بھائی بن جائیں۔ تو اس نیکی سے

سے بڑھ کر دنیا میں اور کوئی خیر و ثواب کا کام نہیں ہو سکتا آج جرائم پیشہ اقوام کے بچے پرائمری جماعتوں میں ڈھائی ہزار سے زاید کی تعداد میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں آپ کے اڑھائی لاکھ سالانہ نے ان کو یہ موقعہ تعلیم کا نصیب کیا ہے کیا تعجب ہے کہ کل انہیں میں ایسے نکل آئیں جو ملک کے بہترین خیر خواہ اعلےٰ درجہ کے سپاہی اور مدبر و منتظم ثابت ہوں دنیا کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے ایک دفعہ نہیں ہزاروں دفعہ ادنےٰ خاندانوں چھوٹے طبقوں میں وہ ہستیاں پیدا ہوئیں جنہوں نے قوموں اور ملکوں کی قسمتوں کو پلٹ دیا ۔ سوائے بُدھ یا ایک آدھ اور بڑے مصلح کے آپ جدھر نظر دوڑائینگے آپ کو معلوم ہو گا کہ کیا پیغمبر کیا بڑے بڑے رشی سب عوام ہی سے پیدا ہوئے کوئی دن ہو گا کہ ان جرائم پیشہ لوگوں کا کوئی ہونہار فرزند آپ کی نسلوں اور آپ کے بال بچوں کی تعلیم و تربیت کا کفیل ہو گا ۔

آپ کے اس اڑھائی لاکھ سالانہ کی طفیل اس وقت صوبے کے اندر ایک بڑے اعلےٰ پیمانے پر شہر امرتسر میں مرکزی اصلاحی سکونت گاہ ہے باقی مختلف اضلاع میں نو صنعتی اور پندرہ زراعتی سکونت گاہیں ہیں ۔ جن میں جرموں کو نیکیوں اور گناہوں کو ثواب میں بدلنے کا کام رات دن جاری ہے ۔

اس کے علاوہ مختلف سکونت گاہوں میں کوآپریٹو بنک کھولے گئے ہیں ۔ جن کے ذریعہ ان لوگوں کو روپیہ کے بچانے اور ضرورت کی جگہوں پر صرف کرنے کی عادت سکھائی جاتی ہے ۔
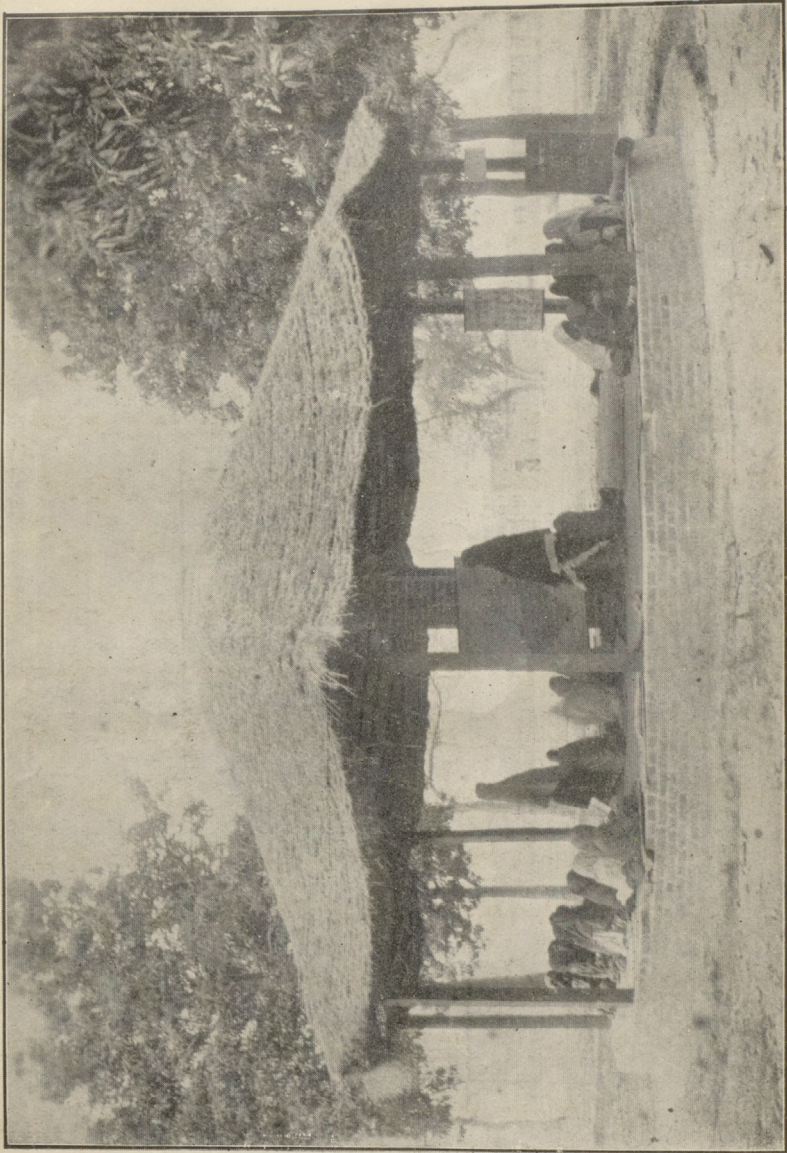
سکونت گاہوں میں لڑکیوں کے مدرسے

پرائیویٹ اور قومی انجمنوں کا کام

کوئی مذہب نہیں جو انسانی ہمدردی اور شفقت واخوت کا سبق نہ سکھاتا ہو۔ اپنے پیروؤں کو اس بات پر مجبور نہ کرتا ہو کہ اپنے غریب ومفلس اور جاہل وبد اعمال ہمجنسوں کے ساتھ رحم اور مہربانی سے پیش آؤ ان کو نیک چلنی اور پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دو۔ دنیا کی کوئی مقدس کتاب ایسی نہ ہو گی جس میں اس قسم کے احکام نہایت واضح اور جلی الفاظ میں درج نہ ہونگے۔

ہندوستان میں جس مذہبی انجمن کو سب سے پہلے اور خود بخود جرائم پیشہ اقوام کی اصلاح کا خیال پیدا ہؤا وہ مکتی فوج کی منتظم جماعت ہے۔ ان لوگوں نے ۱۹۰۸ء یا ۱۹۰۹ء میں نہایت رحمدلی اور اولوالعزمی سے اس نیک کام کو شروع کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں ایسی اچھی کارگذاری دکھائی کہ سرکاری کمیٹی کے اراکین نے بھی ان کی خدمت اور ایثار کی داد دی۔ پنجاب اور یوپی دونو صوبوں میں اس جماعت نے جرائم پیشہ لوگوں کی اصلاح کے لئے سکونت گاہیں قائم کیں اور انتظام کے لئے اچھے اچھے افسر مقرر کئے۔ لاہور۔ سیالکوٹ۔ لدھیانہ وغیرہ اضلاع میں مختلف قسم کے عام تعلیمی اور صنعتی سکول قائم کئے۔ گورنمنٹ نے بھی ہر طرح اس جماعت کی ہمت افزائی کی۔ زمین روپئے اور پولیس وغیرہ سے ضروری امداد بہم پہنچائی۔ نہ صرف اس جماعت کو امداد دی بلکہ ان کے کام سے متوثر ہو کر خود سرکاری کمیٹی نے سفارش کی کہ سوسائٹی سے گرے ہوئے اور نیچ ذات کے لوگوں کو ابھارنا اور برادری میں شامل کرنا زیادہ تر خود پبلک کا کام ہے اور گورنمنٹ کو ان قومی اور مذہبی انجمنوں کو ہر طرح کی امداد دینی چاہئے جو اس کار خیر

کے لئے کمربستہ ہوں۔ اس غرض کو مدنظر رکھ کر کمیٹی نے صوبے کی تمام
مذاہب کی مشہور قومی انجمنوں مثلاً آریہ سماج وچھووالی۔ آریہ سماج
انارکلی۔ انجمن اسلامیہ۔ انجمن حمایت اسلام۔ دیو دھرم سماج سناتن
دھرم سبھا اور چیف خالصہ دیوان کو خطوط لکھے اور ان
سے دریافت کیا کہ آیا آپ اس نیک کام کو اپنے ہاتھ میں لینے یا
گورنمنٹ کو انہیں مدد دینے کے لئے تیار ہیں یا نہیں گورنمنٹ نے تمام
مذاہب اور قوموں کو اس کام میں شرکت کی دعوت دینے میں اعلے
درجہ کے تدبر اور عقلمندی سے کام لیا یہ آگے ان انجمنوں کا فرض
تھا۔ کہ وہ اس کام کے لئے اپنے اوقات اور اپنی محنتوں کو صرف کر سکتے تھے یا نہیں

خوشی کا مقام ہے کہ بعض قومی انجمنوں نے اس کام کی طرف
توجہ مبذول کی اور گورنمنٹ نے اپنی ۱۹۱۷-۱۹۲۰ء کی رپورٹ میں مکتی
فوج۔ انجمن احمدیہ اشاعت اسلام۔ آریہ سماج۔ سناتن دھرم۔ دیو سماج
جماعت قادیاں۔ چیف خالصہ دیوان۔ ہندو سبھا۔ انجمن اسلامیہ اور
کیمبرج مشن کی خدمات کا اعتراف کیا لیکن ۱۹۲۱ء سے لے کر ۱۹۲۳ء
تک کی تمام رپورٹوں میں گورنمنٹ کو شکایت ہے کہ ان سکونتگاہوں
میں بھی جو مذکورہ بالا قومی اور مذہبی انجمنوں کے سپرد ہیں گورنمنٹ کے
افسروں اور ملازموں کو اتنا ہی وقت اور محنت صرف کرنا پڑتی
ہے جتنی سرکار سیٹلمنٹوں میں۔ اکثر انجمنوں کے کارکن اس دلچسپی اور
سرگرمی سے اس کارخیر میں حصہ نہیں لیتے جو ان سے امید تھی۔ دو
ایک سوسائٹیاں ایسی ہیں جو ابھی تک نہایت عمدہ کام کر رہی ہیں لیکن
زیادہ وہ ہیں جو بے پرواہی سے ایسے ملازم مقرر کر کے بھیج دیتی ہیں جن
کو نہ پہلے کام کی واقفیت ہوتی ہے اور نہ وہاں رہ کر اس کام
کو خوش اسلوبی سے سرانجام دے سکتے ہیں حالانکہ تمام روپیہ
جو اس کام پر صرف ہوتا ہے وہ تمام انجمنوں کو گورنمنٹ اپنے
خزانے سے دیتی ہے۔ یہ نہیں کہ انجمنوں کو اپنی طرف سے چندوں

وغیرہ سے یہ اہتمام کرنا پڑتا ہو پھر حیرانی ہے کہ اس میں کماحقہٗ دلچسپی
نہیں لی جاتی۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا یہ کام اکیلی گورنمنٹ ہی کا ہے۔
اور پھر جہاں تک روپے اور پولیس وغیرہ کے انتظامات کو اس میں
دخل ہے گورنمنٹ اکیلی ہی اس کو سرانجام دے رہی ہے کیا مذہبی
سوسائیٹیوں سے یہ بھی نہیں بن آتا کہ اپنے ہم وطنوں اور ہم مذہبوں
کو اچھے اخلاق اور نیک عادات کی وعظ و تلقین ہی کر سکیں۔
ہم امید کرتے ہیں کہ تمام مذہبی سوسائیٹیاں اپنے اس فرض کی اہمیت
کو بہت جلد محسوس کریں گی اور اصلاح و تہذیب کے کام میں حکومت
کا ہاتھ بٹانے میں کوتاہی سے کام نہ لینگی۔ جو انجمنیں کام کر رہی ہیں۔
ان کو زیادہ سرگرم و چست ہونیکی ضرورت ہے۔ مگر کئی مشہور مذہبی
سوسائیٹیاں ابھی صوبے میں ایسی ہیں۔ جنہوں نے باوجود حکومت کی
دعوت کے مطلق اس کار ثواب کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا
کیا یہ امید کی جا سکتی ہے کہ یہ مضمون ان کے سربرآوردہ کارکنوں
کے دلوں میں نوع انسانی کی ہمدردی کا احساس پیدا کرنے کا موجب
ہو گا +

سرکاری سکونت گاہوں کا موجودہ نظام

صوبے کے اندر جرائم پیشہ اقوام کے لئے ایک خاص محکمہ ہے جس
کا اعلےٰ افسر ایک ڈپٹی کمشنر ہے جس کے ماتحت تمام سکونت
گاہوں کا نظام ہے۔ پنڈت ہری کشن صاحب کول سی آئی ای اور مسٹر
کانلے جیسے قابل افسر اس محکمہ کے انچارج رہ چکے ہیں۔ پنڈت
صاحب موصوف نے جو نمایاں خدمات اس ضمن میں سرانجام دی ہیں۔
ان کا ذکر اجمالاً اوپر آچکا ہے۔ ان گری ہوئی اقوام پر اگر خدا

کی قدرت سے کبھی صحیح اصلاح پیدا ہوگئی۔ یہ لوگ ایک بار پھر دنیا میں متمدن و مہذب بن گئے۔ تو کچھ تعجب نہیں پنڈت جی موصوف جیسے موجود بھی خواہوں کو اپنے پرانے مصلح اور راہنما تصور کرنے لگ جائیں۔ محکمہ کا انتظام گذشتہ چار پانچ سال سے سردار صاحب سردار ہری سنگھ صاحب کے ماتحت ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ جو اصلاح اور ترقی ان اقوام کی اس دوران میں ہوئی ہے اس کے لحاظ سے سردار صاحب موصوف بھی قابلیت اور ہمدردی بنی نوع کے جذبہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے پیشروؤں سے کسی حیثیت میں کم نہیں۔ کسی کام کے بانی بیشک توصیف و تحسین کے سب سے پہلے حقدار ہوتے ہیں مگر بعد کے آنے والے منتظمین کی قابلیت و اہلیت بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتی۔ ہم یہ دیکھ کر خوش ہوئے کہ سردار صاحب موصوف کے زیر اہتمام نہ صرف ان اقوام کے لئے مدرسوں۔ ہسپتالوں۔ صنعتی اور زراعتی سکونت گاہوں کا انتظام ہی خوش اسلوبی کے ساتھ ترقی کر رہا ہے۔ بلکہ جس انتظام اور جس تدبر و فراست نے سردار صاحب کو اپنے سابق افسران سے ممتاز کر دیا ہے وہ یہ ہے کہ سردار صاحب ان لوگوں کے تمدن و معاشرت کی اصلاح کرنے میں خاص طور پر کوشش کر رہے ہیں۔ مختلف شہروں اور دیہات میں ان اقوام کی کانفرنسیں کی جا رہی ہیں ان سب کو ایک جگہ اکٹھا کر کے ان کے اپنے بڑے بڑے بزرگوں سے لکچر کرائے جاتے ہیں۔ ان لکچروں میں ان کو ان کی پرانی قبیح حرکات سے باز رہنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ ان کی رسوم کی برائیاں ان کے ذہن نشین کی جاتی ہیں۔ اچھی رسوم کی بنیادیں رکھی جاتی ہیں۔ پرانی رسموں پر عمل کرنے والوں کے لئے سزائیں اور تعزیریں مقرر ہوتی ہیں۔ مذہب کے اختیار کرنے نیک اخلاق پر چلنے مستقل شہری زندگی اختیار کرنے کے وعظ کہے جاتے ہیں۔ جرائم کی زندگی سے توبہ کرائی جاتی ہے۔ مجرموں کو اچھے اثرات کے ماتحت لانے کے وعدے

لئے جاتے ہیں۔ پھر مختلف سکونت گاہوں کے سکولوں کے لڑکوں میں کھیلوں کے میچ کرائے جاتے ہیں۔ ان میں اچھے لڑکوں کو انعامات تقسیم ہوتے ہیں۔ غرض ہر ممکن کوشش اس امر میں کی جارہی ہے۔ کہ ان اقوام کی موجودہ اور آئیندہ نسلیں جرائم سے پرہیز کرنے پر خود بخود آمادہ ہوں اس سلسلہ میں جو بات سب سے زیادہ قابل تعریف ہے وہ یہ ہے کہ سرکاری کمیٹی کی ہدایات کی تعمیل میں سردار صاحب موصوف کے ماتحت سکونت گاہوں کے انتظام کے لئے ایسے افسران مقرر ہیں جو ان لوگوں سے نہایت ہمدردی سے پیش آتے ہیں۔ اپنا تعلق زیادہ افسرانہ نہیں رکھتے بلکہ مشفقانہ و ناصحانہ سلوک روا رکھتے ہیں۔ مغلپورہ کی سکونت گاہ کو دیکھتے وقت سردار راجندر سنگھ صاحب سپرنٹنڈنٹ سکونت گاہ کے طرز سلوک اور ہمدردانہ روش سے ہمیں خود بخود خیال ہؤا کہ واقعی ایسے افسران کی نگرانی میں ان لوگوں کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ گذشتہ دو تین سالوں کی سرکاری رپورٹوں میں کوئی ایسی ہوگی جس میں ڈپٹی کمشنر صاحب کے دفتر کے موجودہ سپرنٹنڈنٹ بابو محمد حمید صاحب کے کام اور قابلیت کی داد نہ دی گئی ہو۔ کئی سکونت گاہوں میں یہ صاحب نہایت کامیابی سے کام کر چکے ہیں اور ان سے ملنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ان اقوام کی اصلاح میں کس خلوص سے دلچسپی لیتے ہیں۔ اور کیا کیا تجاویز مد نظر رکھتے ہیں اگر گورنمنٹ کے اور افسر بھی ایسی ہی قابلیت اور اخلاص و ہمدردی کے مالک ہیں تو کچھ تعجب نہیں کہ چند سال کے اندر یہ اقوام متمدن زندگی اختیار کرنے پر قادر ہو جائیں +

ہماری تجاویز

ہمارا خیال ہے کہ محکمہ جہاں اس بات میں کوشاں ہے کہ مختلف

اقوام کی کانفرنسیں قائم کرے۔ تقریروں کے ذریعہ ان کے دل و دماغ میں انقلاب پیدا کرے اور لڑکوں میں کھیلوں کے ذریعہ اخوت اور خوش اخلاقی کے جوہر پیدا کرے وہاں اس بات کو بھی ملحوظ رکھے کہ یہ لوگ صرف آپس ہی میں ایک دوسرے کو نہ ملتے رہیں۔ ان کے لڑکے یہ نہ ہو ہمیشہ اپنے جیسے ہی دوسرے لڑکوں کو دیکھنے کے عادی بن جائیں۔ کیوں نہ ایسا انتظام کیا جائے کہ بعض دفعہ پانچ پانچ دس دس طالب علم ان قوموں کے دوسرے سرکاری یا غیر سرکاری سکولوں میں داخل کرا دئے جایا کریں جو بغیر ہدایتوں اور پابندیوں کے خود بخود دوسرے طلبا کو دیکھ کر رغبت پکڑیں اور اپنی اصلاح آپ کرنے پر مائل ہوں سرکاری یا غیر سرکاری سکولوں کے منتظمین کو بھی اس بارہ میں خاص دلچسپی لینی چاہئے۔ اور ان اقوام کی بہتری کے لئے ہر ممکن کوشش کو عمل میں لانا چاہئے ہمیں ایک نئی شائع شدہ کتاب[1] سے پڑھ کر افسوس ہوا کہ علاقہ بمبئی میں ایک جرائم پیشہ قوم کے افراد میں خود بخود اصلاح کا خیال پیدا ہوا انہوں نے اپنے بچوں کو پبلک سکولوں میں تعلیم کے لئے داخل کرایا مگر سکولوں کے ہیڈ ماسٹروں اور دوسرے معلموں نے ان لڑکوں سے نفرت و حقارت کا سلوک کرکے بالاخر انہیں سکول ترک کرنے پر مجبور کر دیا۔ یہ جنوبی ہندوستان کا ذکر ہے۔ ممکن ہے وہاں رسوم ذات کے کرشمے ایسے نتائج ابھی تک پیدا کرتے ہوں پنجاب کے معلموں سے اس قسم کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ گورنمنٹ کو چاہئے کہ اس طرح کا تجربہ ضرور کرے اور قومی لیڈروں اور قومی استادوں کے جذبات حب الوطنی سے فائدہ اٹھائے
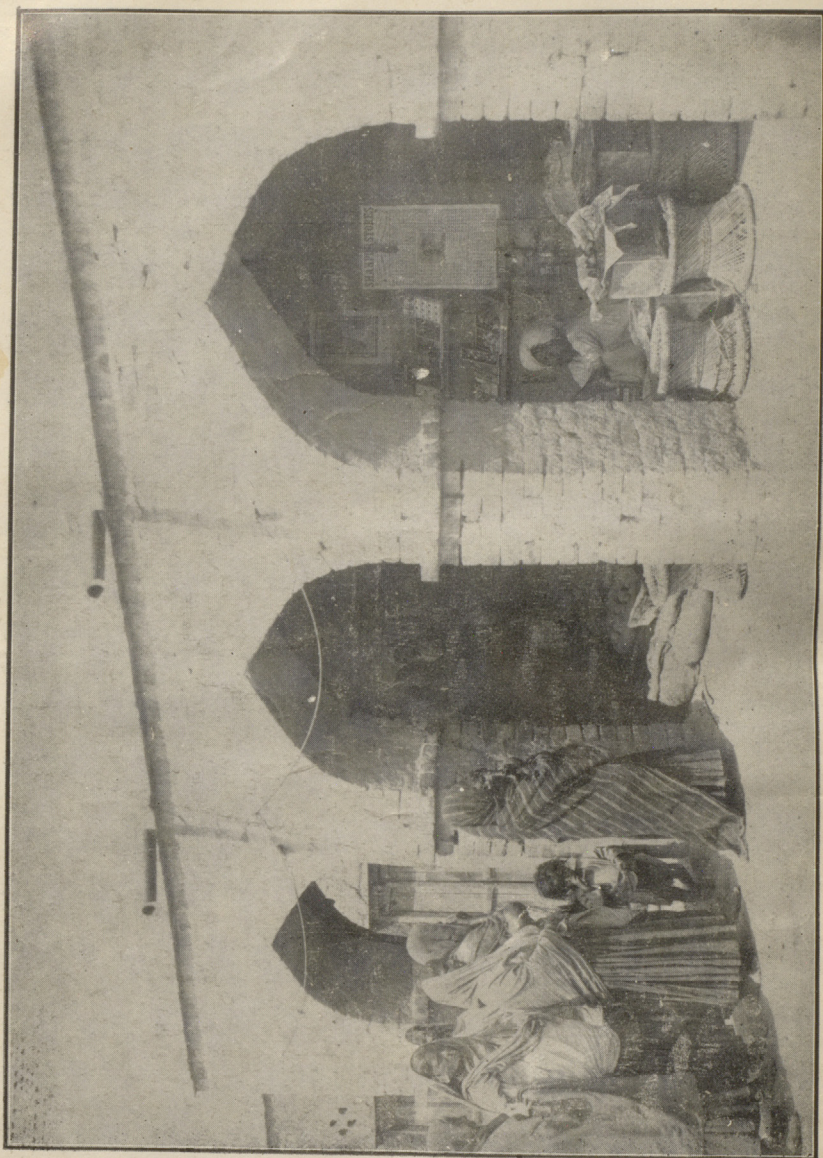
[1] Crime in India
Page 104 & 105 } Edwards-

دُکانوں سے خرید و فروخت کرنے کی عادت پیدا ہو رہی ہے

اِسی طرح یہ بھی بے سود نہ ثابت ہوگا اگر ان اقوام کے بعض افراد کو کبھی کبھی علم مذہبی جلسوں اور وعظوں میں شرکت کا موقعہ دیا جایا کرے اِسکے علاوہ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ اب اِن اقوام کو جرائم پیشہ کے نام سے نہ پکارا جایا کرے اور اسکی بجائے "قدیم اقوام" یا کوئی اور نام ان کا رکھا جائے۔

سکونت گاہوں کا نقشہ

اس وقت جہاں جہاں اور جس جس قسم کی سرکاری سکونت گاہیں پنجاب میں ان اقوام کے لئے قائم ہیں ان کا نقشہ ذیل میں دیا جاتا ہے اور اسی پر مضمون کا خاتمہ ہے۔

پنجاب میں جرائم پیشہ اقوام کیلئے سرکاری سکونت گاہیں

نمبر	قسم سکونت گاہ	نام سکونت گاہ	ڈاک خانہ	ضلع
۱	زراعتی	ہیر پڈلوا اور ہیر ڈھنڈاری	کول	کرنال
۲	"	ہیر بھباری	راجوند	"
۳	صنعتی	چھانگا مانگا	چھانگا مانگا	لاہور
۴	"	چیچا وطنی	چیچا وطنی	منٹگمری
۵	(دیہاتی)	فتح گڑھ سبراؤں	ماکھو	فیروزپور
۶	صنعتی	ہولتا	پالم پور	کانگڑہ
۷	زراعتی	کستووال	کستووال	منٹگمری
۸	"	کوٹ آدھیاں	کالا خطائی	شیخوپورہ
۹	"	کوٹ جھنڈا اور کوٹ گوبند کے	ڈسکہ	سیالکوٹ

نمبر	قسم سکونت گاہ	نام سکونت گاہ	ڈاکخانہ	ضلع
۱۰	زراعتی	کوٹ موکھل	سنتراہ	سیالکوٹ
۱۱	صنعتی	مغلپورہ	مغلپورہ	لاہور
۱۲	″	پالم پور	پالم پور	کانگڑہ
۱۳	″	پیرووالا	پیرووالا	ملتان
۱۴	اصلاحی	ریفارمیٹری	امرت سر	امرت سر
۱۵	صنعتی	شاہ پور جنڈ	چھانگا مانگا	لاہور
۱۶	زراعتی	چک نمبر ۱۶ ۹ ار	کچا کھوہ	ملتان
۱۷	″	چک نمبر ۱۹ ۹ آر مشرقی	″	″
۱۸	″	″ ″ مغربی	″	″
۱۹	″	چک نمبر ۲۷ ۲ ایل	اکاڑہ	منٹگمری
۲۰	″	چک نمبر ۴۹ ۳ آر	چک ۳ آر براستہ اکاڑہ	″
۲۱	″	چک نمبر ۴۷ ۳ آر	گمبھیر	″
۲۲	″	چک نمبر ۳۳ ۵ ایل	″	″
۲۳	″	چک نمبر ۹۱ ۱۰ آر	خانیوال	ملتان
۲۴	″	چک نمبر ۱۰۹ ۹ ایل	چک نمبر ۱۰۹ ۹ ایل	منٹگمری

مطبع عام پریس لاہور میں باہتمام لالہ موتی رام منیجر چھپا

مفید عام پریس لاہور میں باہتمام لالہ موتی رام مینجر چھپا